65 Talaaq Madany Aayaath 12

(۶۵)

سُورۂ طلاق

مدنیہ ہے اور اس میں بارہ (۱۲) آیتیں ہیں

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں :۔ نزلت سورۃ الطلاق بالمدینۃ (ابن الضریس نحاس ابن مردویہ) سورۂ طلاق مدینہ منورہ میں نازل ہوا۔ اس پر تمام ائمہ و علماء کا اتفاق ہے۔

ماقبل سے مناسبت سورت سابقہ سے اس کی مناسبت یوں ہے کہ سورت سابقہ میں ارشاد ہوا تھا اِنَّ من ازواجکم واولادکم عدوا لکم فاحذروھم تمہاری بعض بی بیاں اور بعض اولاد تمہاری دشمن ہیں لہٰذا ان سے بچتے رہو" ایسی بی بیوں سے بچنے کی ایک صورت' طلاق ہے۔ یعنی نکاح کے ذریعہ سے ایک اجنبی مرد اور عورت میں جو رشتہ' زبانی ایجاب و قبول نکحتُ و قبلتُ سے قائم ہوا تھا اور عقد نکاح یعنی نکاح کی گرہ پڑی تھی اس کو طلّقتُ یا انت طالق وغیرہ الفاظ کے ذریعہ اس گرہ کو کھول دیا جاتا ہے۔ جس کے بعد عورت کو آزادی مل جاتی ہے کہ عدت ختم

ہونے کے بعد وہ کسی دوسرے شخص سے نکاح کرلے۔ اسی طرح مرد بھی اس کے نفقہ وغیرہ کی ذمہ داریوں سے آزاد ہوجاتا ہے۔ نیز کسی کی چار بیباں تھیں تو وہ پانچویں سے نکاح نہیں کرسکتا تھا۔ اب ایک کو طلاق دے دینے کے بعد اس کی جگہ ایک اور عورت کو اپنے نکاح میں لاسکتا ہے۔ نیز ایک عورت نکاح میں تھی تو اس کی بہن سے نکاح نہیں کرسکتا تھا اور اب کرسکتا ہے۔ یہ آزادی مرد کو حاصل ہوئی۔

طلاق اللہ سبحانہ کو سخت ناپسند ہے

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔ یا معاذ ما خلق اللہ شیئا ابغض الیہ من الطلاق وما خلق اللہ علی وجہ الارض احب الیہ من العتاق۔ (ابن عدی، بیہقی، دیلمی) اے معاذ! اللہ سبحانہ تعالیٰ نے طلاق سے بڑھکر کوئی ایسی چیز جو اس کو ناپسند ہو پیدا نہیں کی۔ اور اللہ سبحانہ نے روئے زمین کی چیزوں میں جو غلاموں کو آزاد کرنے سے زیادہ محبوب ہو کوئی چیز نہیں پیدا کی"۔ اس سے معلوم ہوا کہ طلاق دینا اگرچہ شرعاً جائز ہے لیکن اللہ سبحانہ کو یہ سخت ناپسند ہے لہذا طلاق دینے والے کو خوب سوچ سمجھ کر اس جانب اقدام کرنا چاہیئے کہ مبادا بے وجہ طیش میں آکر کوئی اقدام کر بیٹھے اور بعد کو پچھتاتا رہے۔ مولانا رومؒ فرماتے ہیں:۔

تا توانی پا منہ اندر فراق   ابغض الاشیاء عندی الطلاق

تو برائے وصل کردن آمدی نے برائے فصل کردن آمدی

یہ چھوڑا پن ناپسند ہے حضرت ابو موسی اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ تزوّجوا ولا تطلّقوا فانّ اللہ لا یحبّ الذوّاقین ولا الذوّاقات (طبرانی) نکاح کرو پر طلاق نہ دو کیوں کہ اللہ سبحانہ چھوڑے مردوں اور چھوڑی عورتوں کو پسند نہیں فرماتا" یہ بھی فرمایا:۔ لا تطلّق النساء الّا من ریبۃ ۔ (طبرانی) عفت میں کلام ہو تو اور بات ہے اس کے سوا اور کسی معمولی بات پر عورتوں کو طلاق نہ دی جائے"۔

طلاق سے عرش اعظم ہل جاتا ہے حضرت مولائے کائنات سیدنا علی مرتضےٰ کرم اللہ وجہہ راوی ہیں کہ حضرت سید العالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ تزوّجوا ولا تطلّقوا فان الطلاق یھتزّ منہ العرش ۔ (ابن عدی) نکاح کرو پر طلاق نہ دو کیونکہ طلاق کی وجہ سے عرش اعظم ہل جاتا ہے"۔

طلاق سے ابلیس کی خوشی حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت سید المرسلین صلوات اللہ سلامہ علیہ وعلیہم اجمعین نے فرمایا:۔ انّ ابلیس یضع عرشہ علی الماء ثمّ یبعث سرایاہ فادناھم منہ منزلۃ اعظمھم فتنۃ یجیئ احدھم فیقول فعلت کذا وکذا فیقول ما صنعت شیئا

ولیجیئی احدھم فیقول ما ترکتہٗ حتّٰی فرّقت بینہ وبین اھلہ فیدنیہ منہ ویقول نعم انت۔ (امام احمدؒ مسلمؒ) ابلیس اپنا تخت سمندر پر بچھاتا ہے پھر اپنی ٹکڑیوں کو بھیجتا ہے۔ اب اس کے نزدیک اسی کی منزلت سب سے بڑھکر ہوتی ہے جس نے سب سے بڑا فتنہ برپا کیا ہو۔ ان میں کا ایک ایک اس کے پاس آکر کہتا ہے کہ میں نے ایسا کیا اور ایسا فتنہ برپا کیا تو وہ کہتا ہے کہ تو نے کچھ نہ کیا۔ اتنے میں ان کا ایک شیطان آکر کہتا ہے کہ میں نے فلاں کا پیچھا اس وقت تک نہ چھوڑا تا آنکہ اس کے اور اس کی بی بی بچوں میں پھوٹ نہ ڈال دی تو ابلیس اس شیطان کو اپنے نزدیک بلاکر شاباشگی دیتا ہے کہ تو بہت اچھا ہے۔"

بے وجہ درخواست طلاق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا:۔ ایّما امرأۃٍ سألت زوجھا طلاقًا من غیر ما بأسٍ فحرامٌ علیھا رائحۃ الجنّۃ۔ جس کسی عورت نے اپنے شوہر سے طلاق کی درخواست کی بغیر کسی اندیشہ کے جو اس کا موجب ہو تو ایسی عورت پر جنت کی بُو تک حرام ہو جاتی ہے۔" العیاذ باللہ فاعتبروا یا اولی الابصار۔ تفصیلی احکام کتب فقہ سے معلوم ہو سکتے ہیں۔ یہاں ان کا ذکر بے محل ہے۔

65-1

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم والا ہے۔

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا طَلَّقۡتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوۡهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ
وَاَحۡصُوا الۡعِدَّةَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمۡ ۚ لَا تُخۡرِجُوۡهُنَّ مِنۡۢ
بُيُوۡتِهِنَّ وَلَا يَخۡرُجۡنَ اِلَّاۤ اَنۡ يَّاۡتِيۡنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ؕ
وَتِلۡكَ حُدُوۡدُ اللّٰهِ ؕ وَمَنۡ يَّتَعَدَّ حُدُوۡدَ اللّٰهِ فَقَدۡ ظَلَمَ
نَفۡسَهٗ ؕ لَا تَدۡرِىۡ لَعَلَّ اللّٰهَ يُحۡدِثُ بَعۡدَ ذٰلِكَ اَمۡرًا ۝

اے نبی! جب تم طلاق دو عورتوں کو تو ان کو طلاق دو ان کی عدت پر، اور گنتے رہو عدت کو، اور ڈرو اللہ سے جو رب ہے تمہارا، مت نکالو ان کو ان کے گھروں سے اور وہ بھی نہ نکلیں، مگر جو کریں صریح بے حیائی، اور یہ حدیں ہیں باندھی ہوئی اللہ کی، اور جو کوئی بڑھے اللہ کی حدوں سے تو اس نے برا کیا اپنا اس کو خبر نہیں شاید اللہ پیدا کرے اس کے بعد نئی صورت۔

یا یہا النبی اذا طلقتم کی تفسیر صاحب کشف الاسرار فرماتے ہیں کہ آیہ کریمہ یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا طَلَّقۡتُمُ النِّسَآءَ کی تفسیر میں مفسرین کرام کے حسب ذیل چار اقوال ہیں:—

۱۔ یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ کی ندا اور اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ کا خطاب دونوں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہیں۔ اور طَلَّقْتُمْ میں صیغہ جمع سے آپ کی تشریف و تکریم مقصود ہے۔ جس طرح بادشاہ کو عموماً صیغہ جمع سے مخاطب کیا جاتا ہے ایسا ہی اللہ سبحانہ نے حضورؐ کو تعظیماً صیغہ جمع سے مخاطب فرمایا۔ مطلب یہ ہوا کہ اے نبی! جب آپ عورتوں کو طلاق دینا چاہیں۔

۲۔ ندا حضور کو کی جا رہی ہے اور خطاب آپ کی امۃ مرحومہ سے ہے۔ یعنی روئے سخن اور توجہ الٰہی آپ کی طرف مگر کلام امۃ مرحومہ سے فرمایا جا رہا ہے۔ یعنی طلاق نبی کے شایاں نہیں۔ امتی اگر دینا چاہیں تو ان کے احکام آگے آتے ہیں۔

۳۔ یہاں اصل ارشاد یوں تھا:۔ یا یھا النبی والمومنون اذا طلقتم النساء۔ گویا حضور اکرمؐ اور آپ کے امتی دونوں کو ندا کی جا رہی ہے اور خطاب بھی ہر دو سے ہے۔ مگر والمومنون کا لفظ طلقتم کا قرینہ موجود رہنے کی بنا پر حذف کر دیا گیا۔ یعنی اے نبی اور ایمان والو! جب تم عورتوں کو طلاق دینا چاہو"

۴۔ اصل ارشاد یوں تھا:۔ یا یھا النبی قل للمومنین اذا طلقتم النساء اے نبی! آپ ایمان والوں سے فرمائیے کہ جب تم طلاق دینا چاہو" گویا قرینہ موجود ہونے کی وجہ سے قل للمومنین کے الفاظ کی ضرورت نہیں رہی۔ جیسے

سورۂ احزاب میں ارشاد ہوا:۔ یا یھا النبی قل لازواجك ۔ اے نبی کریم! آپ اپنی بی بیوں سے فرما دیجئے "

بہر حال جو صورت بھی ہو مطلب تقریباً ایک ہی ہے۔ اور چوتھی صورت بالکل واضح ہے۔ اگرچہ اس میں قل للمومنین کا جملہ محذوف یا مقدر ماننا پڑتا ہے۔ ہمارے نزدیک صورت دوم کے مطابق تفسیر اولیٰ معلوم ہوتی ہے۔ واللہ اعلم

حضور اکرم کا طلاق دینا رہا یہ امر کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو طلاق دی تھی وہ اس آیہ کریمہ کے نزول سے پیشتر کا واقعہ ہے۔ اس آیہ کریمہ کے نزول کے بعد آپ نے ان کو رجوع فرما لیا۔ کیونکہ اللہ سبحانہ نے ذریعہ وحی آپ کو مطلع فرما دیا تھا:۔

راجعھا فانھا صوامۃ قوامۃ وانھا من نسائك فی الجنۃ (طبری)

ان کو رجوع فرما لیجئے کیونکہ وہ بڑی روزہ دار تہجد گزار ہیں اور وہ آپ کی جنتی بی بیوں میں شامل ہیں" نیز حضرت حفصہ بڑی علامہ اور حدیث داں بھی تھیں۔ ان کی منزلت حضرت ام المومنین سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی کی جیسی تھی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ اسی طرح آپ نے ام المومنین حضرت سودہ بنت زمعہ کو بھی طلاق دی تھی پھر آپ نے ان کو بھی رجوع فرما لیا۔

دوسری وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ آپ نے یہ عمل بیان جواز کے لئے فرمایا۔ ورنہ حرج عظیم امتیوں کے لئے لاحق ہوتا۔

تیسری وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ تنبیہاً و زجراً آپ نے ایسا عمل فرمایا تھا جب مقصد تنبیہ کی تکمیل ہوگئی تو آپ نے رجوع فرمالیا۔ بہرحال آپ رسول رب العٰلمین ہیں اس میں کیا مصلحت مضمر تھی اس پر غور کرنے کی ہم امتیوں کو ضرورت نہیں ہے۔ یہ امر مسلّم ہے کہ کوئی نہ کوئی حکمت اس میں ضرور تھی۔ اور یہ بھی مسلّم ہے کہ نبی اللہ سے کوئی کام خلاف اولیٰ نہیں ہوسکتا جس بنا پر آپ نے طلاق دی تھی۔ طلاق ہی اولیٰ تھی۔ اور جس بنا پر آپ نے رجوع فرمالیا رجوع ہی اولیٰ و افضل تھا۔

فطلّقوھنّ لعدتھنّ کی تفسیر | فَطَلِّقُوْھُنَّ لِعِدَّتِھِنَّ وَ اَحْصُوا الْعِدَّۃَ۔ (جب تم طلاق دو عورتوں کو) تو ان کو طلاق دو ان کی عدت پر اور گنتے رہو عدت کو" یعنی اگر شوہر کسی مجبوری اور ضرورت کی بنا پر اپنی زوجہ کو طلاق دینی چاہے تو اس کی عدت کا لحاظ رکھ کر عدت پر طلاق دے۔ عدت کا خیال کئے بغیر محض طیش و غضب کی حالت میں طلاق نہ دے ڈالے۔ عدت کا لحاظ کرنے کی صورت یہ ہے کہ طلاق، عورت کے طہر کی حالت میں ہو۔ حالت حیض میں نہ ہو۔ پھر وہ طہر بھی ایسا ہو جس میں جماع و ہم بستری کی نوبت نہ آئی ہو جیسا کہ صحیح حدیثوں میں آیا ہے۔ اس میں ایک

ایک فائدہ یہ ہے کہ حالت طہر میں انسان عورت کی طرف مائل و راغب ہوتا ہے۔ اس فطری میلان و رغبت کے زمانہ میں اگر کسی نے اپنی عورت کو طلاق دے دی تو اس سے یہ سمجھا جائے گا کہ شوہر اپنی بی بی سے ناراض ہے جبھی تو اس نے ایسی حالت میں اس کی طرف مائل و راغب ہونے کی جگہ طلاق دی ہے۔ اور یہ اس کی غور کردہ سوچی سمجھی بات ہے۔ دوسرا فائدہ اس میں یہ ہے کہ عدت کا زمانہ طویل نہ ہونے پائے گا۔

عدت طلاق حنفیہ کے نزدیک حنفیہ کے نزدیک مدخولہ مطلقہ عورت کی عدت جو حاملہ و آئسہ یا صغیرہ نہ ہو تین حیض ہے۔ اگر ایسے طہر میں طلاق دی جائے جس میں نوبت مقاربت نہ آئی تھی تو اس کے بعد اس کو جو ایام آئیں گے وہ پورے عدت میں شمار ہوں گے یہ ایک حیض ہوا۔ پھر طہر ہوگا۔ پھر پورے ایام حیض عدت میں محسوب ہوں گے۔ یہ دوسرا حیض ہوا۔ پھر طہر ہوگا۔ پھر اس کے بعد جو زمانہ حیض کا ہوگا یہ بھی عدت میں شمار ہوگا۔ یہ تیسرا حیض ہوا۔ اس کے ساتھ ہی عدت ختم ہو جائیگی اب شوہر کو رجوع کرنے کا اختیار نہ رہے گا۔ اور جو طلاق رجعی دی گئی تھی وہ بائنہ ہو جائے گی۔ البتہ تیسرا حیض ختم ہونے سے پہلے اس کو رجوع کر لینے کا حق باقی رہتا ہے۔ اگر اس اثناء میں اس کی رائے بدل گئی تو اس کو اختیار ہے کہ رجوع کر لے ورنہ یہ سمجھا جائے گا کہ ناراضی واقعی ہے۔ نیز شوہر کو بھی اس حالت میں آئندہ کوئی

پچھتاوا باقی نہ رہے گا۔

عدت طلاق شافعیہ کے نزدیک شافعیہ کے نزدیک مدخولہ مطلقہ غیر حاملہ کی عدت تین طہر ہے۔ ان کے مسلک کے لحاظ سے تین طہر کامل گزرنے پر عورت نکاح سے باہر ہو جائے گی۔ اس کا تفصیلی بیان سورۂ بقرہ کی آیت کریمہ والمطلقت یتربصن بانفسھن ثلثۃ قروء کی تفسیر میں آئے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔

یہ تفسیر فطلقوھن لعدتھن کی ہوئی جس میں خطاب طلاق دینے والے شوہروں سے تھا۔ اس کے بعد ارشاد ہے:۔

واحصوا العدۃ کی تفسیر وَاَحْصُوا الْعِدَّۃَ۔ اور گنتے رہو عدت کو"

یہ خطاب طلاق دینے والے مردوں اور طلاق پائی ہوئی عورتوں، دونوں سے ہے کہ طلاق سے عدت واجب ہوتی ہے اور عدت کا شمار رکھنا مردوں اور عورتوں دونوں پر واجب ہے۔ ایسا نہ ہو کہ لاپروائی سے کام لے کر اس میں گڑبڑ پیدا کرلیں کہ عدت حق اللہ ہے۔ کسی عورت کا ایک کے حبالۂ عقد سے نکل کر، دوسرے کے رشتۂ نکاح میں آنا ہے اس کی صحت عدت کو ٹھیک طور پر شمار کرتے رہنے پر موقوف ہے۔ اس میں گڑبڑ ہوگی تو آئندہ کا انتظام درہم برہم ہو جائے گا۔ اور اس کا مضر اثر اولاد کے نسب پر پڑے گا۔ اسی لئے یہ تاکیدی حکم شدومد سے دیا گیا ہے۔

واتقوا اللہ کی تفسیر | وَاتَّقُوا اللّٰہَ۔ "اور ڈرو اللہ سے"۔ کہ اس سلسلہ میں جو احکام سنائے گئے ہیں ان کی پوری پوری پابندی کی جائے۔ کسی حکم کی خلاف ورزی نہ ہونے پائے یعنی یہ کہ طلاق بے وجہ نہ دی جائے۔ پھر حالت طہر میں دی جائے۔ طہر بھی ایسا ہو جس میں مقاربت نہ ہوئی ہو ایک طلاق دی جائے۔ ایک سے زاید طلاقیں یکدم نہ دی جائیں۔ وہ طلاق بھی رجعی ہو۔ بائنہ یا مُغلّظہ نہ ہو کہ اس میں شوہر کو رجوع کا حق باقی نہیں رہتا۔ خلاف ورزی کی صورت میں طلاق تو واقع ہو جائے گی مگر طلاق دہندہ پر معصیت رہے گی۔ پھر یہ کونسی دانشمندی ہوئی کہ ادھر بی بی بھی چھوٹ گئی۔ مہر اگر مؤجل تھا تو وہ معجل ہو گیا۔ فوری طور پر ادا کرنا پڑا۔ پھر معصیت بھی دوش پر رہی۔ اس کے بعد اگر عقل آئی بھی تو اب کیا فائدہ جبکہ شوہر کا اختیار باقی نہیں رہا۔ مفت کا پچھتاوا رہ گیا۔

ابن عمرؓ کی طلاق کا واقعہ | حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں:۔ انہ طلق امرأتہ وھی حائض فذکر ذلک لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتغیظ فیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثم قال لیراجعھا ثم یمسکھا حتی تطھر ثم تحیض فتطھر فان بدا لہ ان یطلقھا فلیطلقھا طاھرا قبل ان یمسھا فتلک العدۃ التی امر اللہ ان یطلق لھا النساء۔ (عبدالرزاق، امام احمد

عبد بن حمید، بخاری، مسلم، ابو داؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، ابن جریر، ابن المنذر، ابویعلیٰ، ابن مردویہ بیہقی) ابن عمرؓ نے خود اپنی بی بی کو بحالت حیض طلاق دے دی حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور میں اس کا ذکر آیا تو آپ اس امر میں غصے ہوئے پھر فرمایا کہ اس کو رجوع کر لینا چاہیئے اور عورت کو وہ اپنے ہاں روک رکھے۔ تا آں کہ وہ پاک ہو جائے۔ پھر ایک حیض گزرے پھر وہ پاک ہو جائے۔ اس کے بعد بھی اس کو طلاق دینا ہی پسند ہو تو حالت طہر میں طلاق دے قبل اس کے کہ وہ اس کو چھوئے یہی وہ عدت ہے جس کا لحاظ کر کے عورتوں کو طلاق دینے کا اللہ سبحانہ نے حکم فرمایا ہے"۔

ابن عمر اور حضرت عمر کا تأثر حضرت ابن عمرؓ اپنا یہ واقعہ مدۃ العمر لوگوں سے بیان فرماتے رہے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر اس کا اثر اتنا تھا کہ جس وقت آپ خلافت کے لئے انتخاب فرما رہے تھے تو کسی نے ابن عمرؓ کا نام پیش کیا۔ ان کا نام سنتے ہی فرمایا تم لوگ ایسے شخص کا نام خلافت کے لئے پیش کر رہے ہو جسے صحیح طریقہ پر اپنی زوجہ کو طلاق دینا تک نہ آیا۔ حالاں کہ یہ واقعہ ابن عمر کی اوائل عمری کا تھا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔

لَا تُخْرِجُوهُنَّ کی تفسیر لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْ بُيُوْتِهِنَّ۔ مت نکالو ان کو

ان کے گھروں سے۔

نادان اشخاص کی عادت ہے کہ وہ اپنی بی بیوں سے ناراض ہوکر جب طلاق دے دیتے ہیں تو اس پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ ان کو اپنے گھر سے نکال دیتے ہیں۔ حالانکہ طلاق دینے کے بعد ان کا اختیار ختم ہو چکا۔ اب عورت کو عدت گزارنی ہے۔ اور عدت 'حق اللہ' ہے اس لئے اس سے منع فرمادیا گیا۔ اور کس خوبی سے منع فرمایا جارہا ہے سبحان اللہ۔ ارشاد ہورہا ہے کہ مت نکالو اُن کو اُن کے گھروں سے" گھر تو شوہر کا ہے بی بی کا نہیں ہے۔ مگر چونکہ مطلقہ بی بی اس میں حق اللہ کی ادائی کے سلسلہ میں ٹھہری رہے گی اس لئے اس کو اتنا حق پیدا ہو گیا کہ گویا وہ گھر خود اسی عورت کا ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ اب وہ شوہر کے گھر میں ٹھہری ہوئی نہیں ہے بلکہ اللہ سبحانہ نے جو سارے جہاں کا مالک ہے اپنے حکم خاص سے اس کو یہاں ٹھہرایا ہے تو اب کس کی مجال ہے کہ مطلقہ عورت کو یہاں سے نکال سکے۔ انسان اپنے ذاتی مکان میں جس آزادی کے ساتھ رہتا ہے ایسا ہی اس عورت کو بھی یہاں تا ختم عدت رہنے کا حق حاصل ہے۔

لایخرجن کی تفسیر | وَلَا یَخْرُجْنَ۔ اور وہ بھی نہ نکلیں"۔ انسان اپنے گھر سے جب چاہا باہر نکلتا ہے مگر مطلقہ عورتوں کو اس حکم کے ذریعہ آگاہ کیا جارہا ہے کہ اپنے

گھر میں ٹھہرے رہنے کا یہ مطلب نہیں کہ جب چاہیں یہاں سے چلی جائیں اس لئے کہ ان کو یہاں حق اللہ کے سلسلہ میں ٹھہرایا گیا ہے لہذا یہ حق جب تک ادا نہ ہو ان کو باہر جانے کی اجازت نہیں۔ نیز یہ کہ طلاق دہندہ اگر گھر سے باہر جانے کی اجازت دے تب بھی عورت کو باہر نہ جانا چاہیئے کیونکہ یہ ممانعت فقط حق شوہر کی بنا پر نہیں بلکہ حق اللہ کی ادائی کیلئے بھی ہے۔ اس بارے میں شوہر کا اجازت دینا بھی جائز نہیں ہے۔

مختلعہ کا حکم اس حکم سے یہ مسئلہ بھی نکلتا ہے کہ اگر کوئی عورت اپنے شوہر سے خلع حاصل کرے اور درخواست خلع میں نفقہ عدت سے دستبردار ہو جائے تو جس طرح مختلعہ کے کھانے کپڑے کے اخراجات تا ختم عدت شوہر پر واجب نہیں رہیں گے۔ مکان کا انتظام بھی شوہر کے ذمہ نہیں رہے گا لیکن مختلعہ یعنی خلع لینے والی عورت پر واجب ہو گا کہ عدت ختم ہونے تک جس طرح وہ اپنے کھانے پینے کے اخراجات آپ برداشت کرے گی۔ اسی طرح مکان کا انتظام بھی اس کو بطور خود کر لینا ہو گا اور عدت ختم ہونے تک اس میں ٹھہری رہنا پڑے گا۔ یہ حکم حنفیہ کے نزدیک ہے۔ شافعیہ فرماتے ہیں کہ میاں بی بی دونوں اگر منتقلی پر رضامند ہو جائیں تو عورت منتقل ہو سکتی ہے۔ اس اعتبار سے شوافع کے نزدیک آیہ کریمہ کے معنی یہ ہوں گے کہ مطلقہ عورتوں کو زبردستی ان کے گھر سے نہ نکالو اور نہ عورت خود نکل کر چلی جائے۔ ہاں دونوں کی رضامندی سے منتقلی ہو تو اور بات ہے۔

ممانعت اس صورت سے متعلق نہیں۔ واللہ اعلم۔

فاحشۃ مبینۃ کی تفسیر اِلَّآ اَنۡ یَّاۡتِیۡنَ بِفَاحِشَۃٍ مُّبَیِّنَۃٍ۔ "مگر جو کریں صریح بے حیائی"۔ تو ایسی ہی عورتیں اتنے تاکیدی احکام کے موجود ہوتے ہوئے نکل سکتی ہیں۔ مطلب یہ کہ مطلقہ عورت کا اندرون عدت گھر سے باہر نکلنا صریح بے حیائی کا کام ہے۔ امام ابن ہمامؒ فرماتے ہیں:۔ ھذا کما یقال فی الخطابیۃ لا تزن الا ان تکون فاسقا ولا تشتم امك الا ان تکون قاطع رحم "یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ نصیحت کے موقع پر کہا جاتا ہے کہ مرتکب حرام نہ ہو مگر یہ کہ فاسق بننا چاہتا ہو۔ اور اپنی ماں سے بدکلامی نہ کر مگر یہ کہ صلہ رحمی کے خلاف طریقہ اختیار کرنا چاہتا ہو"۔ مطلب یہ کہ ارتکاب حرام ہی فسق ہے اور ماں کو گالی دینا ہی قطع رحمی ہے۔ اس اعتبار سے آیہ کریمہ کا مطلب یہ ہوگا کہ مطلقہ عورت کا گھر سے باہر نکلنا ہی صریح بے حیائی کی بات ہے۔ اس تقدیر پر استثناء کا تعلق صرف یخرجن سے ہوگا۔ یہ تفسیر حضرت امام اعظمؒ کے مذہب کے مطابق ہو گی جن کا اصول یہ ہے کہ استثناء اگر چند افعال کے بیان کے بعد آئے تو اس کا تعلق صرف آخری فعل سے ہوگا۔ اس کے ماقبل افعال سے نہ ہوگا۔ سدیؒ ابن السائبؒ ابراہیم نخعیؒ اور حضرت ابن عمرؓ کا بھی یہی قول ہے۔

دوسری تفسیر فاحشہ مبینۃ کی دوسری تفسیر زنا سے کی گئی ہے یعنی مطلقہ عورت اگر مرتکب زنا ہوئی تو اس کو زمانہ عدت میں گھر سے باہر نکال دیا جائے۔ تاکہ اس پر حد (سزائے شرعی) نافذ کی جائے۔ اس صورت میں استثناء کا تعلق لاتخرجوھن سے ہوگا۔ مطلب یہ کہ مطلقہ عورتوں کو زمانہ عدت میں ان کے گھر سے باہر نہ نکالو مگر یہ کہ وہ علانیہ طور پر زنا کی مرتکب ہوں تو ان کو سزائے شرعی دینے کے لئے باہر نکال دو یہ قول حضرت امام ابو یوسفؒ کا ہے۔ جو حضرت قتادہ حسن بصری شعبی زید بن اسلم ضحاکؒ عکرمہ حماد لیث کے اقوال کے مطابق ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت ابن عباسؓ کا بھی یہی قول ہے۔

تیسری تفسیر بعض محققین فرماتے ہیں کہ فاحشۃ مبینۃ سے مراد صرف زنا نہیں بلکہ ہر برا کام ہے جو عورت کی بے حیائی پر دلالت کرتا ہو۔ جیسے زنا، چوری، گھر سے باہر نکل جانا۔ بلکہ زبان درازی وغیرہ سب اس میں داخل ہیں۔ اس صورت میں استثناء کا تعلق لاتخرجوھن اور ولایخرجن دونوں سے ہوگا۔ مطلب یہ کہ مذکورہ بالا تمام صورتوں میں مطلقہ عورتیں گھر سے باہر نکال دی جاسکتی ہیں یا وہ خود گھر سے باہر چلی جائیں تو اس کو گوارا کر لیا جاسکتا ہے۔ اس کی تائید حضرت ابن عباسؓ کی اس تفسیر سے ہوتی ہے۔ الفاحشۃ المبینۃ ان تبذ والمرأۃ علی اھل الرجل فاذا بذت علیھم بلسانھا فقد حل لھم اخراجھا۔ (عبدالرزاق، سعید بن منصور، ابن راھویہ

عبدبن حمید، ابن جریر، ابن مردویہ) فاحشہ مبینہ یہ ہے کہ عورت، اپنے شوہر یا اس کے قرابت داروں کے ساتھ سوء کلامی کرے جب وہ بدزبانی کرنی لگے تو ان لوگوں کو حق پہنچتا ہے کہ اس کو نکال دیں۔" ابن جریر طبری نے اسی تفسیر کو اختیار کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

حدود اللہ کی تفسیر | وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ۔ اور یہ حدیں ہیں اللہ کی مقرر کی ہوئی۔ اور جو تجاوز کرے اللہ کی حدوں سے تو اس نے برا کیا اپنا۔" یعنی اس آیہ کریمہ میں اوپر جو احکام بیان ہوئے کہ عورتوں کو کسی مجبوری کی صورت میں طلاق دینا ہی پڑے تو بحالت طہر طلاق دیجائے جس میں مقاربت نہ ہوئی ہو۔ پھر ایک ہی طلاق دی جائے۔ اس سے زیادہ نہ دیں وہ ایک طلاق بھی رجعی ہو۔ طلاق بائن نہ دی جائے۔ پھر عدت کا شمار کرتے رہیں۔ اور خدا سے ڈرتے رہیں کہ کسی امر میں کوئی کام خلاف حکم سرزد نہ ہونے پائے۔ ان کو گھر سے نہ نکال دیں۔ اور نہ وہ خود نکلیں مگر یہ کہ عورتیں کوئی صریح بے حیائی کی مرتکب ہوں۔ یہ تمام مذکورہ جلیل الشان احکام اللہ سبحانہ کی مقرر کردہ حدود ہیں ان سے تجاوز نہ کیا جائے۔ اور جو کوئی تجاوز کرے تو اس نے اپنا آپ نقصان کر لیا۔

یحدث کی تفسیر | لَا تَدْرِيْ لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا۔ اس کو خبر نہیں شاید اللہ پیدا کرے اس کے بعد نئی صورت۔" یہاں لا تدری کا خطاب

طلاق دہندہ سے ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نہیں۔ مطلب یہ کہ مذکورہ بالا جلیل الشان احکام جن کی تعبیر حدود اللہ سے فرمائی گئی ان کی اہمیت عام نظروں میں دکھائی نہیں دیتی۔ جن پر یہ واقعہ گزرا ہے وہی کچھ ان کی قدر جان سکتے ہیں کہ ایک ایک حکم اپنے اندر کیا کیا مصلحتیں رکھتا ہے؟ حالت طہر کی جگہ بحالت حیض طلاق دی جاتی تو شوہر کی اصلی ناراضی معلوم نہ ہوتی۔ ممکن ہے کہ اس ناپاکی کی وجہ سے جو امتناع عاید حال تھا اس سے کچھ اکر طلاق دے دی ہو۔ پھر یہ حالت رفع ہوتے ہی اس کو اپنے کیے پر ندامت اٹھانی پڑے۔ اگر بحالت طہر طلاق دی گئی لیکن مقاربت کی نوبت آچکی تھی تو اس میں یہ احتمال ہے کہ اس مقاربت سے ممکن ہے علوق ہو گیا ہو (یعنی حمل قرار پا چکا ہو)۔ اس صورت میں عدت تا وضع حمل ہو گی۔ اور بہت دنوں تک طرفین کو انتظار کرنا پڑیگا جو طرفین کی تکلیف کا موجب ہے۔ پھر عدت کا شمار کرتے رہنے کا حکم طرفین کو دیا گیا تاکہ صبح و شام اس کو گنتے رہیں اور ملاپ یا فراق پر روزانہ غور کرتے رہیں تاکہ کسی صحیح نتیجہ پر پہنچ سکیں۔ اگر طلاق کے بعد دونوں اپنے اپنے کاروبار میں مشغول ہو جائیں اور اچانک مدت ختم ہو جائے تو پھر افسوس ہی رہیگا اسی طرح اللہ سے ڈرتے رہنے کا جو حکم ہے اس کا فائدہ یہ ہے کہ اگر ایک دوسرے کو نقصان پہنچانے کی نیت ہے تو اللہ سبحانہ کو دلوں کا بھید معلوم ہے ایسا نہ ہو کہ اللہ سبحانہ

اس بدنیتی پر کوئی سزا تجویز فرمائے اور بجائے دوسرے کو ضرر پہنچانے کے خود ہی متضرر ہو جائیں۔ اور اگر ایک سے زیادہ طلاقیں دے دی جائیں یا ایک ہی طلاق دی گئی مگر رجعی کی جگہ بائن تو اس میں شوہر کو رجوع کر لینے کا اختیار نہ رہتا۔ یہ بھی ایک قسم کی کوفت اور ندامت ہوتی۔ اگر عورت کو گھر سے نکال دیا جاتا یا وہ خود چلی جاتی تو معاملہ جو طلاق و رجعت کے درمیان دائر تھا اور آئندہ کسی سمجھوتہ کی توقع تھی یہ موقع ہاتھ سے نکل جاتا۔ اب جبکہ کوئی کام خلاف حکم نہیں کیا گیا تو آئندہ میل ملاپ کے سارے مواقع باقی و برقرار ہیں اللہ سبحانہ تعالیٰ مقلب القلوب ہے۔ اپنی رحمت سے شوہر کے دل میں کوئی ایسی بات ڈال دے یا آئندہ کے نتائج سے اس کو آگاہ فرما دے۔ یا خود عورت اس صورت حال کا صحیح جائزہ لے کر اپنے طرز زندگی کی اصلاح پر مائل ہو جائے تو مودت و محبت کا دور پھر سے عود کر سکتا ہے۔ اسی مضمون کو نہایت موثر پیرایہ اور بلیغ انداز میں بیان فرمایا جا رہا ہے کہ کسی کو کیا خبر کہ اللہ سبحانہ اپنے فضل و کرم اور رحمت عامّہ و خاصہ سے کوئی نئی صورت جو طرفین کے دل میں اب تک نہ تھی آئندہ پیدا کر دے جس کی بدولت دونوں اپنے خیالات کی اصلاح کر کے سابق کی طرح شیر و شکر بن کر خوشگوار زندگی باعزت طریقہ پر گزاریں۔ جس میں نہ ندامت ہے نہ کوئی پچھتاوا۔ نہ کوئی ضرر نہ نقصان۔ ایک شیطانی وسوسہ آیا تھا جو عنایت رحمانی سے دفع

دفع ہوگیا۔ وللہ الحمد۔ یا مفارقت ہی منظور ہے تو کامل غور کے بعد ہوگی۔

5-2 فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ فَارِقُوْهُنَّ
بِمَعْرُوْفٍ وَّاَشْهِدُوْا ذَوَيْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ وَاَقِيْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ ۭ
ذٰلِكُمْ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ڛ وَمَنْ يَّتَّقِ
65-3 اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۙ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ۭ وَمَنْ
يَّتَوَكَّلْ عَلَي اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ ۭ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ
شَيْءٍ قَدْرًا ۝ پھر جب پہنچیں اپنی میعاد کو تو رکھ لو ان کو دستور کے موافق، یا
چھوڑ دو ان کو دستور کے موافق اور دو معتبر گواہ رکھو اپنے میں سے۔ اور سیدھی ادا
کرو گواہی اللہ کے واسطے اس کو دی سمجھ جائے گا جو کوئی یقین رکھتا ہوگا اللہ پر
اور یوم آخرت پر اور جو کوئی ڈرتا رہے اللہ سے وہ کردے اس کا چھٹکارا اور روزی
دے اس کو جہاں سے اس کو خیال بھی نہ ہو اور جو کوئی بھروسہ رکھے اللہ پر تو وہ اسکو
کافی ہے یقیناً اللہ پورا کرتا ہے اپنا کام بے شک اللہ نے رکھا ہے ہر چیز کا اندازہ۔"

امساک بمعروف اور مفارقت بمعروف کی تفسیر

فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ فَارِقُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ جب عدت قریب الختم ہو تو شوہر کے لئے دو صورتیں ہیں

ان میں سے کسی ایک کو اختیار کرے ایک "امساک" یعنی طلاق سے رجوع کرکے زوجہ کو بدستور اپنے نکاح میں روک رکھے۔ (اللہ سبحانہ کو یہی صورت پسند ہے کیونکہ قرآن کریم میں اس پہلو کو اولیت دی گئی ہے لہٰذا یہی اولیٰ ہے) دوسری "مفارقت" یعنی طلاق کے سابقہ خیال پر قائم رہ کر مطلقہ سے جدائی اختیار کرلینا۔ بہرصورت دستور کی پابندی ضرور ہے کہ جو صورت بھی اختیار کرے دستور کے مطابق، بھلائی کا طریقہ اختیار کرے۔ امساک بمعروف یہ ہے کہ نفقہ وغیرہ حکم شرعی کے موافق دیا کرے اور حسن معاشرت کا اہتمام رکھے تاکہ آئندہ پھر کوئی صورت ناگواری اور تلخی کی پیدا نہ ہونے پائے۔ اور اگر مفارقت ہی پیش نظر ہو تو وہ بھی مفارقت بمعروف ہو یعنی دستور کے مطابق بھلا طریقہ اختیار کرے۔ زوجہ کو چھوڑتے ہوئے اس پر کوئی الزام عائد نہ کرے۔ اس کو بدنام کرکے نہ نکالے۔ نہ اس کا کوئی حق تلف کرے۔ مہر ادا کردے، جہیز واپس کرے۔ چڑھاوا جو بطور تملیک دے دیا گیا ہے اس کو واپس نہ لے۔ اس کے علاوہ زوجہ کی کوئی اور چیز ہو تو اس کو نہ روک لے۔ زوجہ میں کوئی بری عادت ہو تو اس سے چشم پوشی کرے کہ اب اس کے اظہار کا موقع نہیں۔ کوئی خوبی ہو تو اس کا اظہار کرے۔ شرفا کی عادت ہے کہ اپنے کسی ملازم کو علیحدہ کرتے ہیں تو اس کو ایک سند یا صداقت نامہ لکھ دیتے ہیں کہ فلاں شخص اتنے عرصہ تک ہمارا ملازم رہا۔ زمانہ ملازمت میں اپنے

حسن عمل سے ہم کو خوش رکھا۔ اب اس نے ہم سے اجازت چاہی یا ہم نے اس کو رخصت کر دیا۔ امید ہے کہ وہ جہاں ملازم رہے گا اسی طرح وہ دوسروں کو اپنی لیاقت اور حسن عمل سے خوش رکھے گا۔

حضرت مغیرہؓ کا واقعہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک دفعہ اپنی چاروں بی بیوں کو طلاق دے دی تو سب کو ایک صف میں کھڑا کر کے فرمایا:۔
انتن حسنات الاخلاق ناعمات الارزاق طویلات الاعناق اذھبن فانتن الطلاق "تم سب اچھے اخلاق والیاں ہیں عمدہ رزق والیاں ہیں اونچی گردن والیاں ہیں (شرافت کی طرف اشارہ ہے) چلی جائیں کیونکہ تم سب کو طلاق ہے"۔

وَاَشۡهِدُوۡا ذَوَىۡ عَدۡلٍ مِّنۡكُمۡ ۔ اور گواہ کر لو دو معتبر اپنے میں کے "۔

طلاق و رجعت کے لئے گواہی حضرت عطاؒ فرماتے ہیں:۔ النکاح بالشھود والطلاق بالشھود والمراجعۃ بالشھود (عبدالرزاق عبد بن حمید) نکاح گواہوں کی موجودگی میں اور طلاق بھی گواہوں کے حضور میں اور طلاق کو واپس لینا بھی گواہوں کے روبرو ہونا چاہیئے"۔ مطلب یہ کہ مسلمان کا ہر کام علانیہ کھلم کھلا ہونا چاہئے۔ خفیہ اور پوشیدہ کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو ٹھیک نہیں۔ ہاں فرق اتنا ہے کہ نکاح کیلئے

گواہی واجب ہے اور طلاق و رجعت کے لئے مستحب۔ جیسا کہ کتب فقہ میں مسطور ہے۔ اس کا فائدہ یہ ہے کہ آئندہ کسی کے انکار کی گنجایش باقی نہیں رہے گی۔ ورنہ فریق ثانی کو ضرر پہنچ جانے کا اندیشہ ہے۔ شرع شریف اپنے متبعین کے حقوق کی حفاظت فرماتی ہے اس کی قدر کرنی چاہیئے اسی میں اپنا فائدہ ہے۔

حضرت ابن سیرینؒ فرماتے ہیں:۔۔۔ ان رجلا سأل عمران بن حصین عن رجل طلق ولم یشهد وراجع ولم یشهد قال بئسما صنع طلق فی بدعة وارتجع فی غیر سنة فلیشهد علی طلاقه وعلی مراجعته ولیستغفر الله۔ (عبدالرزاق) کسی نے حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مسئلہ دریافت کیا کہ ایک شخص نے طلاق دی اور گواہ نہ رکھا پھر رجوع کر لیا اور اس پر بھی گواہ نہ کیا۔ تو آپ نے فرمایا اس نے برا کیا۔ طلاق بھی خلاف سنت دی اور رجوع بھی خلاف طریقہ سنت کیا۔ اس کو چاہیئے کہ اپنے طلاق دینے اور اس کو رجوع کر لینے دونوں کاموں پر اب بھی کسی کو گواہ ٹھہرالے اور (گزشتہ عمل کی نسبت) اللہ سبحانہ سے معافی مانگے۔" اس سے معلوم ہوا کہ طلاق و رجعت کے لئے گواہی مستحب ہے کیوں کہ آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ طلاق نہیں ہوئی اور نہ یہ کہ رجعت درست نہ تھی۔

عادل کون ہے؟ حضرت ابراہیم نخعیؒ فرماتے ہیں:۔۔۔ العدل فی المسلمین

من لم تظھر منہ ریبۃ ۔ (سعید بن منصور عبد بن حمید) مسلمانوں میں عادل وہ ہے جس کی دینداری کی بابت کسی شک و تردد کی کوئی بات ظاہر نہ ہوئی ہو" مطلب یہ دو گواہ مرد عاقل بالغ، مسلمان، دیندار ہونے چاہئیں۔ یا ایک مرد اور دو عورتیں جیسا کہ شہادت حقوق کے باب میں عام احکام ہیں۔ کافر کی گواہی درست ہی نہیں اور فاسق کی گواہی مقبول نہیں۔ ایسے گواہوں سے شہادت کا فائدہ حاصل نہ ہوگا۔ عدالت کی جامع تعریف یہ ہے:۔

عدالت کی تعریف العدالۃ ھی الاجتناب عن الکبائر کلھا و عدم الاصرار علی الصغائر و غلبۃ الحسنات علی السیئات ۔ جملہ کبیرہ گناہوں سے پرہیز کرنا، اور صغیرہ گناہوں پر اڑے نہ رہنا، اور برائیوں کے مقابلہ میں نیکیوں کا پلہ غالب رہنا، عدالت ہے" رہا یہ کہ کبھی کوئی چھوٹا گناہ از راہ بشریت کسی سے صادر ہو گیا لیکن وہ اس کو باربار نہ کرتا رہا تو اس سے مسلمان کی عدالت متاثر نہ ہوگی معصومیت، حضرات انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کی شان ہے۔

وَاَقِیْمُوا الشَّھَادَۃَ لِلّٰہِ ۔ اور سیدھی ادا کرو گواہی اللہ کے واسطے"

گواہوں کو حکم ہے کہ وہ اپنی گواہی راستبازی کے ساتھ ادا کریں، اور یہ گواہی خالصاً لوجہ اللہ ہو کسی غرض دنیوی یا کسی لالچ کے لئے نہ ہو۔

گواہ کو ہدایت حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں :۔ ان رجلا سأل النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن الشہادۃ فقال لا تشہد الا علی مثل الشمس اودع (ابن مردویہ) ایک شخص نے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شہادت کے باب میں مسئلہ دریافت کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم گواہی نہ دو تاآنکہ (اس واقعہ کو جس کی نسبت گواہی دے رہے ہو) روز روشن کی طرح نہ جانتے ہو۔"

دوسری روایت میں ہے :۔ لا تشہد علی شہادۃ حتی تکون عندک اضوء من الشمس ۔ (ابن مردویہ) کسی امر کی گواہی نہ دینا تاآنکہ وہ بات تمہارے نزدیک آفتاب سے زیادہ روشن نہ ہو۔" مطلب یہ کہ سنی سنائی باتوں، یا جزوی واقفیت کی بنا پر گواہی نہیں دی جاسکتی ۔ گواہ کو واقعہ کا پورا پورا مشاہدہ وعلم ہونا چاہیئے ۔

شاہد حسبہ کی فضیلت حضرت ابوقتادہ انصاریؓ فرماتے ہیں :۔ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال خیرکم من کانت عندہ شہادۃ لا یعلمھا فتعجلھا قبل ان یسألھا ۔ (ابن مردویہ) حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم میں کا بہترین شخص وہ ہے جس کے پاس کسی امر کی گواہی تھی اس کو کوئی نہ جانتا تھا ۔ اس نے جلدی سے اس کو ادا کیا قبل اس کے کہ کوئی اس سے

دریافت کرے" اس کو شاہد حسبہ کہتے ہیں۔ ایسی گواہی کی بہتری کا کیا پوچھنا کہ ایک شخص اپنے مشاہدۂ ذاتی کی بنا پر دوسروں کے بلا علم و اطلاع ان کے مطالبہ کئے بغیر از خود ادائے شہادت کرے۔ اس میں نہ کسی کی رو رعایت ہے اور نہ کسی کی تعلیم و تلقین کو دخل۔ جو کچھ دیکھا بے کم و کاست بیان کر دیا۔ اللہ والی شہادت کا یہ بہترین نمونہ ہے۔

ذٰلِكُمْ يُوعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ۔

اس کو وہی سمجھ جائے گا جو یقین رکھتا ہو گا اللہ پر اور پچھلے دن پر" مطلب یہ کہ مذکورہ جلیل الشان احکام عام ہیں ہر شخص کو جو ٹھنڈے دل سے ان پر غور کرے ان کی اہمیت اور قدر و قیمت معلوم کر سکتا ہے مگر وقت آن پڑے تو ان کی نگہداشت اور ان پر عمل آوری کچھ اسی کا حصہ ہے جس کو اللہ سبحانہ کی ذات و صفات، اس کے وعدوں اور وعیدوں پر یقین کامل ہو۔ نیز وہ یوم آخر یعنی اس کے حساب و کتاب اور عذاب و ثواب پر ایمان رکھتا ہو۔ یہی گروہ حقیقی فائدہ ان احکام کو بجالا کر حاصل کر سکتا ہے۔ یہ بیان اسی نہج کا ہے جیسا کہ قرآن کریم کی نسبت ایک جگہ ارشاد ہوا ھُدًى لِّلنَّاسِ۔ تمام لوگوں کی ہدایت کا اس میں سامان ہے" اور دوسری جگہ ارشاد ہوا۔ ھُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ۔ اللہ سے ڈرنے والوں کے لئے اس میں ہدایت ہے"۔

یعنی یہی گروہ متقین حقیقی نفع اٹھاتا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ تقوی اور پرہیزگاری ہی دین کامل ہے۔

قوم سے خطاب عزیز و! ہماری ساری زندگی دو دنوں میں تقسیم ہے۔ ایک یوم اول یعنی پہلا دن، جس کی تعبیر قرآن کریم میں حیٰوۃ دنیا کے ساتھ جا بجا فرمائی گئی ہے اس پوری زندگی کو ایک دن شمار کیجئے۔ جو کچھ کرنا ہے وہ اسی ایک دن میں کرنا ہے یعنی آج ہی کر لینا ہے کل پر اٹھا رکھنا قرآنی تعلیم نہیں۔ اس کے بعد دوسرا دن آئیگا یعنی یوم آخر وہ فردائے قیامت ہے۔ آج جو کچھ کرو گے کل اس کا ثمرہ پاؤ گے۔ آج کا دن ختم ہونے والا فانی ہے مگر یوم آخر کی انتہا نہیں۔ اس لئے کہ جو عذاب و ثواب اس دن مترتب ہوگا وہ ابدالآباد کے لئے ہے۔ اللہ سبحانہ کی کیسی عنایت ہے کہ آج کے فانی اعمال کی جزا غیر فانی مقرر فرمائی ہے۔ اقتضائے دانشمندی یہی ہے کہ آج تقوی کی راہ اختیار کریں اور کل سے اس کا ثمرہ دائمی حاصل کرتے رہیں۔

وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ۔ اور جو کوئی ڈرتا ہے اللہ سے وہ کر دے اس کا چھٹکارا اور روزی دے اس کو جہاں سے اس کو خیال بھی نہ ہو"

ترک تقوی کا نتیجہ حضرت عبادہ بن صامت رضؓ فرماتے ہیں: ——

طلق بعض آبائی امرأۃ الفا فانطلق بنوہ الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقالوا یا رسول اللہ ان ابانا طلّق امنا الفا فھل لہ من مخرج فقال انّ اباکم لم یتق اللہ فیجعل لہ من امرہ مخرجا بانت منہ بثلاث علی غیر السنۃ والباقی اثم فی عنقہ۔ (ابن مردویہ ابن عساکر) میرے چچا نے اپنی بی بی کو ایک ہزار طلاقیں دے دیں۔ اس پر ان کے بچے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت مبارک میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! ہمارے والد نے ہماری والدہ کو ایک ہزار طلاقیں دے ڈالی ہیں۔ اب اس سے چھٹکارے کی کوئی صورت ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ تمہارے باپ نے راہ تقویٰ اختیار نہ کی پھر اللہ سبحانہ اس سے خلاصی کی صورت کیسے پیدا کرے گا۔ عورت پر تین طلاقیں تو واقع ہوگئیں جو طریقہ سنت کے خلاف دی گئی تھیں۔ باقی (۹۹۷) کا گناہ تمہارے باپ کی گردن پر ہے۔

اس حدیث شریف سے صاف طور پر واضح ہے کہ اگر اوپر بتائے ہوئے طریقہ پر طلاق دی جاتی تو اس سے خلاصی حاصل کرنا کوئی دشوار امر نہ تھا۔ ایک طلاق رجعی دی جاتی۔ پھر اس پر ندامت ہوتی تو شوہر کو اندرون عدت رجوع کر لینے کا حق رہتا یا عدت ختم ہو کر طلاق بائن پڑ جاتی تو بھی ان دونوں کا نکاح جدید ہو سکتا تھا۔ بندۂ خدا نے ایک دم ایک ہزار طلاقیں دیدیں۔ اس جوش اور طیش کا کیا علاج؟

حضور اکرمؐ نے فیصلہ صادر فرمادیا کہ تین طلاق کے بعد تو طلاق مغلظہ واقع ہو گئی۔ اب بدون تحلیل وہ عورت، شوہر اول کے لئے حلال نہیں رہی اور (۱۷۹۷) طلاق کا ہار بصورت گناہ و معصیت، طلاق دہندہ کے گلے میں پڑا رہا۔ جو بغیر توبہ و استغفار کے نکل نہیں سکتا۔ اور بی بی تو بدون حلالہ کسی طرح طلاق دہندہ پر حلال نہیں ہو سکتی یہ نتیجہ ہے عدم تقوی کا۔

تقوی کے فوائد اسی کے ساتھ حضرت ابن عمرؓ کا واقعہ جو اوپر گزرا اس پر نظر کیجئے کہ ابن عمرؓ نے نادانی سے بحالت حیض طلاق دے دی تھی۔ اگرچہ اس حد تک یہ امر خلاف تقوی ہو گیا تھا۔ لیکن صرف ایک طلاق رجعی دی گئی تھی۔ یہ جزو حدود تقوی کے اندر تھا۔ اس لئے فرمان رسالت صادر ہوا کہ ابن عمرؓ اس طلاق کو رجوع کر لیں، البتہ حالت طہر پیدا ہونے کے بعد چاہیں تو مقاربت سے قبل طلاق دے سکتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ معاملہ رفع دفع ہو گیا۔

تقوی کا فوری فائدہ تقوی ایسی فضیلت ہے جس کے فوائد و منافع دینی و دنیوی بے شمار ہیں۔ جو معاملہ طلاق تک ہی محدود نہیں بلکہ یہ ہر مرض کی دوا اور ہر مصیبت سے نجات کا ذریعہ ہے۔ حضرت عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ تعالی عنہ کے نوجوان فرزند ابو نعیم کا واقعہ مشہور ہے جو متعدد صحابہ کرام سے مروی اور اکثر

کتب احادیث شریفہ میں مسطور ہے کہ ابو نعیمؓ کو مشرکین نے گرفتار کر لیا اور ان کو باندھ کر بھوکا ڈال دیا۔ موصوف نے اپنے ماں باپ کو خط لکھا اور حبس تکلیف میں ہیں' اس کی اطلاع دی۔ انھوں نے حضور اکرمؐ سے التجا کی۔ حضور نے ارشاد فرمایا کہ تقوی اور صبر سے کام لو۔ بچہ اور ماں باپ سب کے لئے یہی راہ نجات ہے۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ اور آیہ کریمہ لقد جاء کم کا وظیفہ بتلایا جس کا ورد سبھوں نے جاری رکھا۔ چند روز نہ گزرے کہ بچہ اپنے گھر آیا اور سو اونٹ (اور ایک روایت کے مطابق چار ہزار بکریاں بھی) اپنے ساتھ لایا۔ اور بیان کیا کہ ایک دن دشمنوں کو غافل پاکر اون کے اونٹ (اور بکریاں) ہانک لایا ہوں۔ یہ مال حلال ہے یا نہیں؟ حضور اکرمؐ سے مسئلہ دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ بے شبہہ حلال ہے اور ہم جب چاہیں گے (مال غنیمت کے احکام کے مطابق) اس کا خُمس وصول کر سکیں گے۔

تقوی کے فوائد حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجا قال قال من شبہات الدنیا ومن غمرات الموت ومن شدائد یوم القیامۃ۔ (ابو یعلیٰ' ابو نعیم' دیلمیؒ) جو کوئی اللہ سبحانہ سے ڈرتا رہتا ہے اللہ سبحانہ اس کی

خلاصی کا انتظام فرماتا ہے، دنیا کے شبہات سے اور موت کی گہرائیوں سے اور روز قیامت کے تکالیف اور شدتوں سے" سب سے خلاصی بخشتا ہے۔

آیہ ومن یتق اللہ کی فضیلت حضرت ابن عباسؓ نے یہ بھی فرمایا:—

من قرأ هذه الآية عند سلطان يخاف غشمه او عند موج يخاف الغرق او عند سبع لم يضره۔ (خطیب بغدادی) جس نے یہ آیہ کریمہ پڑھی کسی بادشاہ یا حاکم کے پاس جس کے ظلم کا اندیشہ ہو، یا طوفانی موجوں کے موقع پر جب کہ ڈوب جانے کا خوف ہو یا کسی درندے کے پاس تو اس کو ان چیزوں میں سے کسی کا ضرر نہ پہنچے گا۔"

یہ ایک آیہ کریمہ سب کے لئے بس ہے حضرت ابو ذر غفاریؓ فرماتے ہیں:—

جعل رسول الله صلى الله عليه وسلم يتلو هذه الآية ومن يتق الله يجعل له مخرجا ويرزقه من حيث لا يحتسب فجعل يرددها حتى نعست ثم قال يا ابا ذر لو ان الناس كلهم اخذوا بها لكفتهم۔ (امام احمد، حاکم، ابن مردویہ، ابو نعیم، بیہقی) آیہ کریمہ ومن يتق الله يجعل له مخرجا ويرزقه من حيث لا يحتسب کو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تلاوت فرمانے لگے اور بار بار اس کو اتنا دہرایا کہ میں اونگھنے لگا۔ پھر فرمایا:— ابو ذر! اگر تمام

(روئے زمین کے) لوگ صرف اس آیہ کریمہ کو مشعل راہ بنالیں تو یہی ایک آیت سب کے لئے بس ہو جائے گی"۔

سب سے ٹوٹ کر رب کا ہو رہے حضرت عمران بن حصینؓ فرماتے ہیں کہ حضور انور ارواحنالہ الفداء نے فرمایا:۔ من انقطع الی اللہ کفاہ اللہ کل مؤنۃ ورزقہ من حیث لا یحتسب ومن انقطع الی الدنیا وکلہ اللہ الیہا۔ (ابن ابی حاتم، طبرانی، خطیب بغدادی) جو شخص سب سے ٹوٹ کر خود کو اللہ سے جوڑ لے گا تو اللہ سبحانہٗ اس کی ہر مشقت کی کفایت فرمائے گا۔ اور جو سب سے ٹوٹ کر خود کا رشتہ دنیا سے جوڑ لے تو اللہ سبحانہٗ اس کو دنیا ہی کے حوالے فرمادے گا"۔ فی زماننا لوگ اقسام کی پریشانیوں میں مبتلا ہیں خصوصاً رزق کے معاملہ میں شاید ہی کوئی ہے جو متردد نہ ہو۔ مرض موجود ہے اور علاج پیشتر سے بتادیا گیا ہے جو نہایت مجرب اور حد درجہ سہل ہے۔ فوراً رجوع ہو جائیے۔ استاذی حضرت علامہ مولانا حافظ محمد انوار اللہ فضیلت جنگ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:۔

درد ہے قلع مرضہائے درونیت شود — انورا کوئے مدینہ چو شفاخانہ تست

اسباب اور مسبب الاسباب عزیزانِ من! ہم سب اسباب کے درپے ہیں اور مسبب الاسباب سے غافل، اسباب کو اختیار کیجئے اور ضرور اختیار کیجئے۔

دنیا عالم اسباب ہے۔ اس سے منع نہیں کیا گیا ہے۔ ہم کو جو کچھ کرنا ہے یہیں کرنا ہے۔ یہی دار العمل اور مزرعۃ الآخرہ ہے۔ لیکن اسباب کو مستقل نہ جانئے یہ صرف ایک ذریعہ اور وسیلہ ہے۔ اصل ذات پاک مسبب الاسباب ہے اس سے غفلت نہ کیجئے۔ خود کو اور اپنے اسباب کو اس کے حوالہ کیجئے۔ اور یہ یقین مانئے کہ ما شآء اللہ کان ومالم یشأ لم یکن۔ اللہ سبحانہ جو چاہے وہی ہوگا اور جو نہ چاہے وہ کچھ بھی نہ ہوگا۔" پھر دیکھئے آپ کے کام بنتے ہیں یا نہیں؟ یہ ضرور نہیں کہ جس راہ سے آپ طلب کرتے رہے ہیں اسی سے آپ کا کام بنے بلکہ کام بننے کی بیسیوں راہیں اللہ سبحانہ کے پاس ہیں جس راستے سے بھی بن جائے۔ آپ کو صرف اپنے کام سے غرض ہے۔ خواہ وہ کسی طرح انجام پائے۔ عارف رومیؒ فرماتے ہیں :-

از سبب ہا بگزرو تقویٰ طلب　　تا خدا روزی رساند بے سبب

حق زجائے بخشدت رزق حلال　　کہ نباشد در گماں دور خیال

وَمَنْ یَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ۔ اور جو کوئی بھروسہ رکھے اللہ پر تو وہ اس کو کافی ہے۔"

متوکّل پر کسی کا کچھ چل نہیں سکتا

حدیث قدسی میں ہے :- یقول الرب تبارک وتعالیٰ اذا توکّل علیّ عبدی لو کادتہ السموات والارض جعلت لہ

من بین ذلك المخرج ۔ (امام احمدؒ فی الزھد عن وہبؒ) پروردگار تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میرا بندہ جب مجھ پر بھروسہ کرلیتا ہے تو اگر تمام آسمانوں اور زمین والے بھی (اس کے خلاف) کید و مکر کریں تو میں ان کی چال بازیوں اور مکاریوں کے درمیان سے اس بندے کے لئے خلاصی کی ایک خاص صورت نکال کر رہوں گا۔" کہ آسمانوں اور زمین والوں کے سارے جال بے کار رہ جائیں گے ۔

پرندوں کے توکل سے ایک سبق سیدنا عمرؓ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔ لو انکم تتوکلون علی اللہ حقّ توکلہ لرزقکم کما یرزق الطیر تغدو خماصاً و تروح بطاناً ۔ (سعید بن منصور، بیہقی) اگر تم اللہ سبحانہٗ پر بھروسہ کرو جیسا کہ بھروسہ کرنے کا حق ہے تو وہ تم کو اس طرح رزق دے گا جیسا پرندوں کو وہ روزی مہیا فرماتا ہے ۔ (تم روزانہ ان کو دیکھتے ہو کہ) وہ صبح کو خالی پیٹ (اپنے آشیانوں سے) نکلتے ہیں اور شام کو واپس آتے ہیں تو ان کے پوٹے بھرے ہوتے ہیں"۔ اے نادان انسان !! اور اے اللہ سے غافل مسلمان !! خود کو کم از کم چڑیا اور پرندوں کے درجے سے نہ گرالے ۔ پرندے کا بھروسہ اللہ سبحانہٗ کی رزاقیت پر اس درجہ ہے کہ وہ کبھی اس کو فراموش نہیں فرماتا تو وہ تجھے کیوں فراموش کرنے لگا ۔ اصل یہ ہے:۔ نسوا اللہ فنسیھم ۔ ان لوگوں نے اس کو بھلا دیا ہے اس لئے بھی ان کو

فراموش فرمادیا" ہونا یہ چاہیے :۔ فاذکرونی اذکرکم ۔ تم مجھے یاد رکھو میں تم کو یاد رکھوں گا"۔

حق توکل کا مطلب حق توکلہ کا مطلب کیا ہے ؟ وہ اس حدیث شریف سے واضح ہو گا جو حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے :۔ من رضی وقنع وتوکل کفی الطلب۔ (ابن مردویہ) جو کوئی (اللہ سبحانہ کے دئے ہوئے سے) راضی رہا اور اس پر خوش ہوا اور اس پر قناعت کی اور اللہ سبحانہ کی ذات پر بھروسہ رکھا بس اس نے اپنی مانگ پوری کرلی"۔ مانگنے کا جو ادب تھا اس کا پابند رہا۔ اور اس حق کو ادا کرلیا۔ آئندہ مالک کی مرضی ۔

جو مانگو اللہ سے مانگو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :۔ من نزلت بہ فاقۃ فانزلھا بالناس لم تسد فاقتہ ومن نزلت بہ فاقۃ فانزلھا باللہ فیوشك اللہ لہ برزق عاجل او آجل ۔ (ابوداؤد، ترمذی، حاکم بروایت صحیحہ۔) جس کو کوئی حاجت درپیش ہوئی پھر اس نے اپنی حاجت لوگوں کے سامنے پیش کی تو اس کی حاجات کا سلسلہ کبھی بند نہ ہو گا۔ اور جس کو کوئی حاجت درپیش ہوئی پھر اس نے اپنی حاجت

اللہ سبحانہ کے حضور میں پیش کردی تو عنقریب اللہ سبحانہ اس کے رزق (اور حاجت روائی کا سامان) فرمادیگا خواہ فوری طور پر یا اپنے وقت پر۔"

متوکل سب سے قوی تر ہے حضرت ابن عباسؓ بروایت مرفوع فرماتے ہیں:۔ من احبّ ان یکون اقوی الناس فلیتوکّل علی اللّٰہ' ومن احبّ ان یکون اغنی الناس فلیکن بما فی ید اللّٰہ اوثق منہ بما فی یدہ ومن احبّ ان یکون اکرم الناس فلیتّق اللّٰہ۔ (ابن ابی حاتم) جس کو یہ پسند ہو کہ وہ سب سے قوی تر رہے تو اس کو چاہیئے کہ اللہ سبحانہ پر اپنا بھروسہ رکھے۔ اور جس کو یہ محبوب ہو کہ وہ سب سے بے نیاز رہے تو اس کو چاہیئے جو چیز اللہ سبحانہ کے دست قدرت میں ہے اس کو محفوظ تر یقین کرے اس چیز کے مقابلہ میں جو اپنے ہاتھ میں ہے۔ اور جس کو اس امر سے محبت ہو کہ سب لوگوں سے اس کی عزت زیادہ ہو تو اس کو چاہیئے کہ وہ اللہ سبحانہ سے ڈرتا رہے۔"

ترک کسب توکل نہیں اللہ سبحانہ پر بھروسہ کرنے کے یہ معنی نہیں کہ آپ کسب معاش نہ کریں۔ مشہور ہے:۔ الکاسب حبیب اللّٰہ۔ "کسب معاش کرنے والا' اللہ سبحانہ کا دوست ہے۔" سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کسی کو زیادہ عبادت کرتا ہوا دیکھتے تو اس سے دریافت فرماتے کہ تمہارا ذریعہ معاش کیا ہے؟

اگر وہ جواب دیتا کہ کچھ نہیں تو آپ فرمایا کرتے کہ ایسا شخص میری نظر سے گر جاتا ہے بلکہ ہر شخص کا کوئی نہ کوئی ذریعہ معاش ضرور ہونا چاہئے۔ مگر اس کے ساتھ اس کا اعتماد رزق کے باب میں اپنے ذریعہ معاش پر نہ ہو بلکہ اللہ سبحانہ تعالیٰ پر ہو، یہ سمجھتا رہے کہ روزی رساں اللہ سبحانہ تعالیٰ ہے۔ تجارت، زراعت، صنعت، حرفت یا ملازمت صرف ذریعہ ہے۔ عارف رومیؒ فرماتے ہیں:۔

گر توکل میکنی در کار کن کار کن پس تکیہ بر جبار کن

رمز الکاسب حبیب اللہ شنو از توکل در سبب کاہل مشو

بَالِغُ اَمْرِہٖ کی تفسیر اِنَّ اللّٰہَ بَالِغُ اَمْرِہٖ قَدْ جَعَلَ اللّٰہُ لِکُلِّ شَیْءٍ قَدْرًا۔ یقیناً اللہ پورا کرتا ہے اپنا کام بے شک رکھا ہے اللہ نے ہر چیز کا اندازہ۔" مطلب یہ کہ اللہ سبحانہ کا کوئی کام ادھورا یا نا تمام نہیں رہ سکتا اور نہ اس کی مرضی کے خلاف کوئی چیز طے ہو سکتی ہے۔ حق سبحانہ تعالیٰ نے ہر چیز کا ایک اندازہ مقرر فرما دیا ہے۔ لہذا ہر چیز کا اپنے اندازہ مقررہ تک پہنچنا لازمی امر ہے اس کو کوئی روک نہیں سکتا۔ خواہ اس پر توکل کیا جائے یا نہ کیا جائے۔ ہاں توکل کرنے میں یہ فائدہ ہے کہ توکل کرنے والے کی برائیوں کا کفارہ ہو جائے گا اور اس کو اجر عظیم ملے گا۔ توکل نہ کرنے والے کے یہ نصیب نہیں ہو سکتے۔ جب یہ بات

سمجھ میں آچکی کہ ہر امر کی تکمیل مرضی الٰہی کے مطابق ہوگی۔ دوسروں کی مرضی کو اس میں دخل نہیں تو خیر اسی میں ہے کہ ہر امر کا انجام مرضی الٰہی کے تفویض کر دیا جائے اور اپنی مرضی کو مرضی الٰہی کے تابع قرار دیا جائے۔ پھر کائنات میں جو واقعہ بھی وقوع میں آئے کسی پر اس کا رنج نہ گزرے۔ اولیاء اللہ اور بزرگان دین کی یہی شان ہے۔ اسی لئے ان کے باب میں ارشاد ہوا۔ الآان اولیاء اللہ لاخوف علیھم ولاھم یحزنون۔ آگاہ رہو کہ اولیاء اللہ کو نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ کبھی غمگین ہوتے۔ وہ راضی برضا ہیں۔

آیہ کریمہ کے معنی سیاق کے اعتبار سے سلسلہ بیان طلاق کے لحاظ سے اس آیہ کریمہ کے معنی یہ ہوں گے کہ مذکورہ احکام کے مطابق طلاق دی جانے کے بعد دو صورتوں میں سے کوئی ایک صورت درپیش ہوگی۔ یا تو شوہر رجوع کرلے گا۔ اس صورت میں میاں بی بی اللہ سے ڈرنے والے ہوں تو ان میں محبت و مودت پیدا ہو جائے گی۔ اور ان کو خزانۂ غیب سے روزی اور ضرورت کی ہر چیز ملتی رہے گی ایسے طریق پر کہ کسی کے شان و گمان میں نہ ہو۔ جس کا بھروسہ اللہ پر ہو تو وہی اس کے لئے بس ہے اور کسی کی حاجت نہیں۔ اللہ سبحانہ اپنا کام انتہا تک پہنچاتا ہے اسی طرح ان کی زندگی خوشگوار ثابت ہوگی۔ ہر چیز کا

ایک اندازہ اللہ سبحانہ کے ہاں مقرر ہے۔ مقررہ مدت تک خوشگواری سے گزر جائے گی۔

یا یہ صورت ہو گی کہ شوہر نے رجوع نہ کیا تب بھی میاں بی بی اگر خدا سے ڈرتے ہوں تو ہر ایک کا جداگانہ انتظام فرما دے گا۔ شوہر کو دوسری بی بی مل جائے گی۔ اور عورت کو دوسرا سرپرست۔ ان سب کی روزی اور ہر مراد خزانۂ غیب سے مہیا ہو گی ان کا بھروسہ جب اللہ پر ہے تو اللہ ہی ان کا کارساز ہے۔ اللہ سبحانہ اپنا کام انتہا تک پہنچاتا ہے لہذا ان کے کام بھی بنا دے گا۔ اللہ نے ہر چیز کی ایک حد مقرر فرما دی ہے یہ اپنے اپنے مقررہ حدود میں رہ کر زندگی ختم کریں گے۔

وَالّٰٓـِٔيْ يَىِٕسْنَ مِنَ الْمَحِيْضِ مِنْ نِّسَآىِٕكُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ 65-4
فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ وَّالّٰٓـِٔيْ لَمْ يَحِضْنَ ۭ وَاُولَاتُ
الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۭ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ
يَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا ۝ اور تمہاری عورتوں میں جنہیں حیض کی امید
نہ رہی اگر تم کو شبہہ رہ گیا تو ان کی مدت عدت ہے تین مہینے اور (ایسی ہی)
جن کو حیض نہیں آیا۔ اور جو حمل والیاں ہیں ان کی عدت یہ ہے کہ وہ اپنا حمل

جن لیں اور جو کوئی ڈرتا رہے اللہ سے تو اللہ اس کے کام میں آسانی فرمادیگا۔

آئسہ، صغیرہ، حاملہ کی عدت سورۂ بقرہ میں جوان عورتوں کی عدت بیان ہوئی تھی جن کے واقعات اکثر در پیش ہوتے ہیں۔ یہاں باقی عورتوں کے احکام ارشاد ہو رہے ہیں۔ کیوں کہ واقعہ طلاق ہر حالت میں پیش آسکتا ہے خواہ عورت سن رسیدہ ضعیفہ ہو۔ یا کم سن۔ جوان ہو تو حاملہ ہو یا غیر حاملہ۔ لہذا جو عورتیں اتنی عمر کو پہنچ چکی ہوں کہ ان کے ماہواری ایام بند ہو چکے۔ یا کوئی اتنی کم سن ہو کہ ابھی اس کو ایام آئے ہی نہیں تو اس حالت میں طلاق دہندہ کو تردد ہوگا کہ ان دونوں قسم کی عورتوں کی عدت کا شمار کس طرح ہوگا کیونکہ حیض تو ان کو آتا ہی نہیں۔ اسلئے ان کا حکم بتایا جا رہا ہے کہ ان دونوں کی عدت، تین قمری مہینے ہے تاریخ طلاق سے اگر تین مہینے گزر جائیں تو سمجھ لینا چاہئے کہ ان کی عدت ختم ہو چکی۔ اور اگر مطلقہ عورت، حاملہ ہو تو اس کی عدت وضع حمل ہے۔ وضع حمل خواہ طلاق دینے کے گھنٹہ آدھ گھنٹہ بعد ہو یا اس کے لئے زیادہ مدت گزر جائے۔ بہر حال جب تک وضع حمل نہ ہو عدت ختم نہ ہوگی۔ حاملہ کو خواہ طلاق دی گئی ہو یا اس کا شوہر وفات پا چکا ہو دونوں صورتوں میں وضع حمل ہی اس کی عدت ہے۔

سنِ ایاس سن ایاس (ماہواری بند ہونے) کی کوئی عمر شریعت میں مقرر نہیں

عورتوں کے طبائع، حالات، ملک کی آب و ہوا وغیرہ امور کے مدنظر مختلف ہوتے ہیں۔ فقہائے کرام نے اپنے تجربہ و تحقیق کی بناپر یہ تصریح فرمائی ہے کہ (۵۵) سال سے (۶۰) سال تک عموماً عورت سن ایاس کو پہنچتی ہے۔ اگر کوئی عورت اس عمر کو پہنچ چکی ہو اور وہ یہ بیان کرے کہ وہ آئسہ ہے تو اس کی یہ بات مان لینی چاہیے۔ اس کی بات کو رد کر دینے کی کوئی وجہ نہیں۔ اور اس کی عدت بجائے تین حیض کے تین مہینے قرار دی جائے۔ تفصیلی احکام کتب فقہ سے معلوم ہو سکتے ہیں۔ (۵۵ -- ۶۰) سے پیشتر بھی عورتیں آئسہ ہو سکتی ہیں۔ اور بعض (۶۰) کے بعد بھی نہیں ہوتیں۔

عدت کے باب میں تقویٰ کی تاکید

یہاں بھی یہ تاکید فرمائی جا رہی ہے :- وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا ۔ اور جو کوئی ڈرتا رہے اللہ سے، کر دے وہ اس کے کام میں آسانی۔" مثلاً عورت کہے کہ وہ سن ایاس کو پہنچ چکی تو اس کو چاہیے کہ خدا سے ڈر کر سچ سچ اپنی حالت کا اظہار کرے کیوں کہ اس کا حقیقی علم دوسروں کو نہیں ہو سکتا۔ اگر وہ غلط بیانی سے کام لے تو سہولت دینے کا جو وعدہ آیۂ کریمہ میں اللہ سبحانہ کی طرف سے دیا گیا ہے اس سے محروم رہیگی یا شوہر عورت کے اس بیان کو تسلیم نہ کرے اور عدم تسلیم میں اس کی شرارت کو دخل ہو تو یہ امر بھی خلاف تقویٰ ہو گا اور وعدۂ تسہیل سے محرومی کا سبب۔ اس لئے

دونوں فریق کو ہدایت فرمائی گئی کہ تقوی کو اپنا شعار بنائیں اور اللہ سبحانہ کی طرف سے جو وعدہ سہولت بخشنے کا فرمایا گیا ہے اس سے مستفید ہوں کہ یہی صفت اہل ایمان کی ہے۔ایک تقوی کی جزا دنیا میں یہ ہے کہ اللہ سبحانہ اوس کے کام میں سہولت دے گا یعنی اس کو خیر کی توفیق دے گا' شر سے محفوظ رکھیگا اور گناہوں سے بچائے گا۔

یضعن حملهن سے حضرت امام اعظمؓ کا استنباط

آیۂ کریمہ وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ میں جو حکم دیا گیا ہے کہ حاملہ عورتوں کی عدت یہ ہے کہ اون کا وضع حمل ہو جائے۔یہ حکم عام ہے کہ عورت مطلقہ ہو یا اس کا شوہر انتقال کر چکا ہو دونوں صورتوں میں عورت حاملہ ہو تو وضع حمل کے ساتھ اس کی عدت ختم ہو جائے گی۔ اور اس کے بعد وہ کسی سے نکاح ثانی کرنا چاہے تو کر سکے گی۔

حضرت امام اعظمؒ نے اس آیہ کریمہ سے یہ مسئلہ بھی استنباط فرمایا کہ حاملہ عورت کو اگر توام بچے پیدا ہوں تو اس کی عدت پہلے بچے کی ولادت پر نہیں بلکہ آخری بچے کے پیدا ہونے پر ختم ہوگی کیونکہ آخری بچے کی ولادت کے بعد ہی یہ کہا جا سکے گا کہ اب یہ حاملہ نہیں رہی اس کا وضع حمل ہو چکا ہے۔

ذٰلِكَ اَمْرُ اللّٰهِ اَنْزَلَهٗۤ اِلَيْكُمْ ؕ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يُكَفِّرْ عَنْهُ 65-5

سَيِّاٰتِهٖ وَيُعْظِمْ لَهٗۤ اَجْرًا ۝ یہ اللہ کا حکم ہے کہ اُس نے تمہاری طرف

اتارا اور جو کوئی ڈرتا رہے اللہ سے اُتارتا ہے اُس پر سے اس کی برائیاں

اور بڑھاتا جائے اس کا ثواب۔

تقویٰ کی تاکید اکید اور یہ جو کچھ سنایا گیا وہ اللہ سبحانہ کا حکم ہے جس کو اللہ نے

تم پر اتارا یعنی تم کو اس کا پابند بنانے کے لئے اپنے رسول (روحی فداہ) پر اتارا

از انجملہ ہر امر میں تقویٰ پیش نظر رکھنے کا حکم بھی ہے۔ لہٰذا جو کوئی تقویٰ کو اپنا

شعار بنائے اور متقیوں کی سی زندگی بسر کرے تو اس کے لئے مزید دو وعدے

ہیں جو بجائے خود بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ ایک یہ کہ اس کی برائیوں کا

کفارہ فرما دیا جائے گا۔ یعنی اس کی برائیاں چھپا دی جائیں گی کہ کسی کو ان پر

اطلاع نہ ہو سکے گی۔ جب برائیاں اس طرح چھپا دی گئیں تو ان کی کیفیت

یہ ہوئی کہ ان کی ذمہ داری بھی متقی کے دوش پر سے ساقط کر دی گئی۔ دوسرا یہ کہ

اس نے جو کام نیک کئے ہیں ان کا اجر بڑھا تا جائے گا۔ ایک کا دہ گنا،

سو گنا، سات سو گنا، بلکہ اس سے بھی کئی گنا زیادہ۔ یہ سب کچھ انسان کے تقویٰ کی جزا ہے۔

تقویٰ کے فوائد صاحب برہان القرآن تحریر فرماتے ہیں کہ احکام طلاق کے

سلسلہ میں تقویٰ کی بابتہ متواتر تین بار متوجہ فرمایا گیا ہے اور ہر نوبت پر جدید نوعیت کے وعدے فرمائے گئے۔ چنانچہ پہلی دفعہ یہ ارشاد ہوا:۔ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ۔ جو کوئی اللہ سبحانہ سے ڈرتا رہے تو اللہ سبحانہ اس کی خلاصی کی صورتیں پیدا کرتا جائے اور اس کے رزق کا انتظام خزانہ غیب سے اس طرح فرماتا رہے جہاں اس کا گمان تک نہ ہو اور نہ ایسی صورت اس کے حاشیہ خیال میں ہو۔" دوسری دفعہ یہ حکم ہوا:۔ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا۔ اور جو کوئی اللہ سے ڈرتا رہے تو اللہ سبحانہ اکی سہولت کا سامان فرماتا رہے گا۔" یعنی اس کی تنگی اور دشواری کی جگہ سہولت اور کشائش لے گی۔ پھر تیسری دفعہ یہ فرمان صادر ہوا:۔ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُعْظِمْ لَهٗۤ اَجْرًا۔ اور جو کوئی اللہ سبحانہ سے ڈرتا رہے تو اللہ پاک اس کی برائیاں اس پر سے اتارتا جائے اور اس کا اجر و ثواب بڑھاتا جائے۔" انسان کے کام دو حال سے خالی نہیں۔ نیک ہوں گے یا بد۔ اگر متقی سے کوئی برا کام سرزد ہو گیا تو اللہ سبحانہ نے اسکو اپنے دامن عفو و رحمت میں چھپا لیا۔ اور جو نیک کام کیا تو اس کا اجر و ثواب اضعافاً مضاعفۃ بڑھتا گیا۔

عورتوں کے باب میں تقویٰ کی شدید ضرورت

بہرحال عورتوں کا معاملہ

خصوصاً ان کے طلاق کا مسئلہ نہایت نازک ہے بہتر تو یہ ہے کہ جہاں تک ہو سکے۔ اس کا خیال ہی دل میں نہ لائے۔ اور اگر ایسی صورت رونما ہو اور کسی طرح اس کا دفعیہ نہ ہو تو جو احکام بتائے گئے ان کی پوری پوری پابندی کرے۔ اور یہ پابندی محض نمائشی نہ ہو بلکہ خوفِ خدا دل میں رہے، اور کسی نوبت پر تقوی کا دامن ہاتھ سے چھوٹنے نہ پائے۔ واللہ الموفق۔

أَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنتُم مِّن وُجْدِكُمْ وَلَا تُضَارُّوهُنَّ 5-6
لِتُضَيِّقُوا عَلَيْهِنَّ ۚ وَإِن كُنَّ أُولَاتِ حَمْلٍ فَأَنفِقُوا عَلَيْهِنَّ حَتَّىٰ
يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۚ فَإِنْ أَرْضَعْنَ لَكُمْ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ ۖ وَأْتَمِرُوا
بَيْنَكُم بِمَعْرُوفٍ ۖ وَإِن تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَهُ أُخْرَىٰ ۝

ان کو گھر دو رہنے کو جہاں تم رہو اپنی مقدور کے موافق، اور ان کے ضرر کا ارادہ نہ کرو تاکہ تنگ کرو ان کو، اور اگر وہ حاملہ ہوں تو ان کو نفقہ دو (کھانے پینے کا انتظام کرو) جب تک کہ ان کا وضع حمل ہو۔ پھر اگر وہ دودھ پلائیں تمہاری خاطر، تو دو ان کو اس کا صلہ اور سکھاؤ آپس میں نیکی، اور اگر ضد کرو آپس میں تو دودھ پلائے گی اس کی خاطر کوئی دوسری "

أَسْكِنُوهُنَّ کی تفسیر اس آیہ کریمہ کا ربط و تعلق ارشاد باری تعالیٰ:۔ لا تخرجوھن من بیوتھن سے ہے جو آغاز سورۃ شریفہ پر گزر چکا۔ جس میں یہ

حکم تھا کہ مطلقہ عورتوں کو ان کے گھر سے نہ نکالو" تو سوال پیدا ہوا کہ ان کو کہاں رکھیں؟ اس پر ارشاد ہو رہا ہے کہ ان کو وہیں رکھو جہاں تم رہتے ہو۔ اور مِنۡ حَیۡثُ سَکَنۡتُمۡ میں کلمۂ مِنۡ کا یہ فائدہ ہوا کہ اپنے سکونتی مکان کے ایک حصہ میں ان کو بھی رکھو اور ارشاد باری تعالیٰ مِنۡ وُّجۡدِکُمۡ سے یہ صراحت فرمائی جارہی ہے کہ مطلقہ عورتوں کے رہنے کا انتظام شوہروں پر واجب ہے ان کی استطاعت کے مطابق۔ اگر شوہر امیر کبیر ہے۔ ڈیوڑھی کے کئی محلات ہیں تو ایک محل مطلقہ کے لئے چھوڑ دیا جائے۔ اور اگر متوسط الحال شخص ہے ایک ہی مکان رکھتا ہے جس میں کئی حجرے دالان ہیں تو ایک حجرہ' دالان' عورت کے تاختم عدت رہنے سہنے کے لئے چھوڑ دیا جائے۔ اور اگر کوئی تنگ حال ہے ایک ہی کمرہ رکھتا ہے تو اسی کے ایک گوشہ میں پردہ باندھ کر اس کو رکھ چھوڑے یہ صورتیں ذاتی مکان کی ہوئیں۔

اور اگر کوئی کرایہ کے مکان میں رہتا ہے تو عدت ختم ہونے تک مطلقہ کے سکونتی حصہ کا کرایہ بھی ادا کرے۔ یہاں تک تفسیر ہوئی اَسۡکِنُوۡھُنَّ مِنۡ حَیۡثُ سَکَنۡتُمۡ مِنۡ وُّجۡدِکُمۡ کی۔

وَلَا تُضَآرُّوۡھُنَّ کی تفسیر	پھر اسی کے ساتھ ارشاد ہے:۔ وَلَا

تُضَآرُّوْهُنَّ لِتُضَيِّقُوْا عَلَيْهِنَّ ۔ اور ان عورتوں کا ضرر نہ چاہو تاکہ ان پر تنگی لاؤ "۔ سکونت کے لئے مکان دینے کے سلسلہ میں ضرر کی مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں مثلاً یہ کہ عورت کے سکونتی حصے میں اپنا مال و اسباب بھر دیا جائے ۔ یا جانوروں کو باندھ دیا جائے یا ایسے لوگوں کو آباد دیا جائے جن کے ساتھ رہنے کو وہ پسند نہ کرتی ہو ۔ اور اس سے مقصد یہ ہو کہ عورت کسی نہ کسی طرح ایسی بدسلوکی سے تنگ آکر یہاں سے نکل جائے ۔ یہ تمام صورتیں تنگدلی کی ہیں ۔ حالانکہ مومن کی شان یہ ہے کہ وہ وسیع القلب ہو ۔ اب تک دونوں میں موافقت تھی تو ہر طرح نازبرداری کی فکر کی جاتی تھی ۔ اب ناموافقت ہو گئی ہے تو ضرر رسانی رہی ایک طرف اس کا خیال تک دل میں نہ آنا چاہیئے ۔ عدت کا زمانہ مختصر ہے اور یہ حق شوہر کے ساتھ حق شرعی بھی ہے حق اللہ کی ادائی میں تنگدلی کو دخل نہ دو بلکہ فراخ دلی اور وسعت قلب سے کام لیا جائے ۔

وَاِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ حَتّٰى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۔ اور اگر وہ مطلقہ عورتیں حمل والیاں ہوں تو ان کو تا وضع حمل نفقہ دیتے رہو "

احکام عدت	عدت کے اعتبار سے عورتوں کے اقسام ہیں مطلقہ جس کو

طلاق دی گئی یا متوفی عنہا زوجہا جس کے شوہر کی وفات ہو چکی ہو۔ مطلقہ غیر مدخولہ جس سے جماع یا خلوت صحیحہ کی نوبت نہیں آئی۔ اس کی کوئی عدت نہیں۔ طلاق کے ساتھ ہی وہ دوسرا نکاح کرسکتی ہے۔ پھر مطلقہ کی دو قسمیں ہیں۔ ایک مدخولہ جس سے جماع ہوا ہو۔ دوسری غیر مدخولہ جس سے جماع کی نوبت نہ آئی ہو۔ پھر مدخولہ کی دو قسمیں ہیں۔ حاملہ اور حائلہ یعنی غیر حاملہ۔ نیز معتدۂ وفات کی بھی دو قسمیں ہیں۔ حاملہ اور حائلہ۔ مدخولہ حاملہ کی عدت وضع حمل ہے خواہ وہ معتدۂ وفات ہو یا معتدۂ طلاق۔ اور مدخولہ حائلہ یعنی غیر حاملہ کی عدت، اگر وہ معتدۂ طلاق ہے تو جوان عورتوں کے لئے تین حیض عند الاحناف اور تین طہر عند الشوافع والحنابلہ اور اگر وہ آئسہ یا صغیرہ ہو تو تین مہینے بالاتفاق۔ اگر معتدۂ وفات ہے تو وہ جوان ہو یا آئسہ یا صغیرہ، مدخولہ ہو یا غیر مدخولہ ہر ایک کی عدت چار مہینے دس دن ہے بالاتفاق۔

معتدہ یعنی عدت والی عورتوں کے نفقہ اور سکنیٰ (یعنی نفقہ اور جائے سکونت) کے احکام حسب ذیل ہیں:۔

احکام نفقۂ عدت | مطلقہ رجعیہ جس کو طلاق رجعی دی گئی ہو اس کے ایام عدت کا نفقہ شوہر پر بالاجماع واجب ہے اور ائمہ اربعہ کا اس پر اتفاق ہے

مطلقہ بائنہ اور مطلقہ ثلاثہ کا نفقہ صرف حضرت امام اعظمؒ کے نزدیک واجب ہے خواہ وہ حاملہ ہو یا نہ ہو۔ دیگر ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اگر وہ حاملہ ہو تو واجب ہے ورنہ واجب نہیں البتہ اگر خلع کی صورت ہو اور مختلعہ یعنی خلع لینے والی عورت نے نفقہ دستبرداری کرلی ہو تو حضرت امام اعظمؒ کے نزدیک بھی ایام عدت کا نفقہ شوہر پر واجب نہ ہوگا۔ خواہ وہ حاملہ ہو یا نہ ہو۔ اور اگر معتدہ وفات ہو یعنی شوہر کے وفات پانے کی وجہ سے عدت میں ہو تو اس کا نفقہ بالاجماع واجب نہیں۔ وہ اپنے نفقہ کا انتظام آپ کرلے۔ اگر عورت نادار ہو تو وہ اپنے نفقہ کے انتظام کے لئے دن کے وقت گھر سے باہر نکل سکتی اور محنت مزدوری کر لے سکتی ہے لیکن رات کو اپنے گھر میں رہنا چاہئے اگر رات کا اکثر حصہ بھی وہ اپنے گھر میں گزارتی رہے تو کافی ہے۔

سکنیٰ بہ زمانہ عدت رہا سکنیٰ یعنی معتدہ کی سکونت کا انتظام۔ اگر معتدہ طلاق حاملہ ہے خواہ طلاق رجعی دی گئی ہو یا بائن یا طلاق ثلاثہ ہر حال میں اس کا سکنیٰ یعنی معتدہ کی سکونت کا انتظام شوہر پر بالاجماع واجب ہے اور اس پر چاروں ائمہ کرام کا اتفاق ہے۔ اور اگر مطلقہ حاملہ نہ ہو اور طلاق رجعی ہو تو وہ حاملہ ہو یا نہ ہو اس کا سکنیٰ بھی بالاتفاق شوہر پر واجب ہے۔ ہاں

اگر طلاق بائن یا طلاق ثلاثہ دی گئی ہو تو صرف ہمارے امام حضرت احمدؒ حنبل کے نزدیک اس کا سکنی شوہر پر واجب نہیں۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک واجب ہے۔ اور اگر عدت وفات شوہر کی وجہ سے ہو تو حضرت امام شافعیؒ کے دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ وہ اپنے سکنی کا انتظام آپ کرلے۔ اور دوسرا قول جمہور کے موافق ہے وہ یہ کہ معتدہ وفات سکنی کی مستحق ہے۔ ایام عدت میں اس کو شوہر کے مکان میں رہنے دیا جائے کیوں کہ شوہر کا مکان اب متروکہ میں شامل ہو چکا اور متروکہ شوہر میں زوجہ کا حصہ بھی شریک ہے۔ البتہ حضرت امام اعظمؒ فرماتے ہیں کہ اگر زوجہ کا حصہ اتنا کم ہو کہ وہ اس میں سکونت نہیں رکھ سکتی۔ اور دوسرے ورثاء اپنے حصے میں رکھنے پر رضامند نہ ہوں تو وہ اپنا انتظام آپ کرلے۔ ان مسائل کے باب میں ہر امام کی دلیل کتب فقہ سے معلوم کی جاسکتی ہے یہاں اس کی گنجائش نہیں۔

دودھ پلانے کی اجرت | فَاِنۡ اَرۡضَعۡنَ لَكُمۡ فَاٰتُوۡهُنَّ اُجُوۡرَهُنَّ۔ پھر اگر وہ دودھ پلائیں تمہاری خاطر تو دو ان کو ان کی اجرت۔" عورت جب تک نکاح میں تھی یا عدت میں تھی اور اس کا نفقہ شوہر پر واجب تھا تو اس زمانے میں اپنے بچے کو دودھ پلانا شرعاً اس پر واجب تھا۔ دودھ پلانے کا کوئی معاوضہ شوہر سے لینے کی وہ مستحق نہ تھی۔ لیکن جب اس کو طلاق دے دی گئی اور عدت بھی

گزر چکی تو اب بچے کو دودھ پلانا اس پر واجب نہ رہا۔ بریں ہم شوہر سابق کی خاطر وہ اپنے بچے کو دودھ پلانے پر آمادہ ہو جائے تو شوہر پر واجب ہے کہ اس کو معاوضہ ادا کرے آخر اس کو بچے کے دودھ کا انتظام کرنا ہی پڑے گا۔ اجنبی عورت پر بچے کی ماں کو ہر طرح ترجیح حاصل ہے۔

باہم امر بالمعروف وَأْتَمِرُوا بَيْنَكُم بِمَعْرُوفٍ ۔ اور سکھاؤ آپس میں نیکی"۔ زوجین سے خطاب ہے کہ ان میں سے اگر کوئی بھلی بات کہے تو دوسرے کو چاہیئے کہ وہ اس بات کو قبول کرے اور مان لے۔ ایک دوسرے کے ضرر کے درپے نہ ہوں محض اس بنا پر کہ ان میں طلاق ہو گئی ہے اور جدائی ٹھہر گئی ہے۔ یہ تسلیم ہے کہ طلاق کے بعد مفارقت ہو جائے گی لیکن امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا دروازہ مسلمانوں کے لئے کھلا ہوا ہے۔ رشتۂ زوجیت نہ رہا نہ سہی، لیکن اسلامی برادری تو بہرحال قائم ہے۔ اس تعلق اسلامی کی بنا پر ایک دوسرے کو امر بالمعروف کیا جائے تو اس کو نہ ماننے کی کوئی توجیہ نہیں ہو سکتی۔ خصوصاً بچہ کے دودھ پلانے کی اجرت مقرر کرنے کے باب میں اگر شوہر اجرت مثل سے کم دینا چاہتا ہے یا عورت، اجرت مثل سے زیادہ کی طالب ہے تو ان کو نصیحت کی جانی چاہیئے۔ شوہر کو یہ نصیحت کہ اجرت مثل سے کم دینا بخل اور ظلم ہے اور عورت کو یہ نصیحت کہ اجرت مثل سے زیادہ کا مطالبہ حرص اور ظلم ہے۔

اگر وہ ایک دوسرے کی بات نہ مانیں تو ان کے قرابت دار اور نیک لوگوں سے مشورہ کریں اور ان کی بات مان لیں۔ تفسیر بیضاوی شریف میں ہے:۔ ولیأمر بعضکم بعضا بجمیل فی الارضاع والاجر۔ ایک دوسرے کو دودھ پلانے اور اجرت دینے کے باب میں نیک مشورہ دینا چاہیے جس میں نہ بُخل کو دخل ہو اور نہ حرص کو۔"

طلبہ علوم عربیہ سے خطاب | یہاں ائتمروا صیغہ امر باب افتعال سے ہے مگر تأمروا باب تفاعل کے امر کے معنی میں آیا ہے۔ جس میں خاصیت تشارک ہے۔ یعنی زوجین ایک دوسرے کو (ظلم سے باز آنے کا) مشورہ دیں۔

تعاسرتم کی تفسیر | وَاِنْ تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَهٗٓ اُخْرٰى۔ اور اگر ضد کرو آپس میں تو دودھ پلائے گی اس کی خاطر کوئی دوسری" یعنی نہ عورت، شوہر کی بات مانتی اور نہ شوہر عورت کی بات سُنتا۔ اور نہ یہ کسی اور کی بات ماننے پر آمادہ ہوں تو ظاہر ہے کہ یہ محض ہٹ اور ضد ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ بچے کو کوئی دوسری عورت دودھ پلائے گی۔ کیوں کہ بچہ بغیر دودھ کے تو نہیں رہ سکتا۔ اگر ماں ضد کر رہی ہو تو اس کو سزا یہ ملی کہ اس سے بچہ علیحدہ کر لیا گیا۔ اور اگر باپ ضدی ہے تو اس کو یہ سزا ہوئی کہ دوسری عورت کو معاوضہ بہرحال دینا پڑا۔ یہی معاوضہ اگر ماں کو دیتا تو بچہ اپنی ماں کے پاس خوش و خرم رہتا۔ اب اجنبی عورت جس قدر بھی بچے کیساتھ

بے اتفاقی کرے اس کو سہنا اور گوارا کرنا ہوگا۔ ماں ہوتی تو ایسا نہ ہوتا۔

لِيُنفِقْ ذُو سَعَةٍ مِّن سَعَتِهِ ۖ وَمَن قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ فَلْيُنفِقْ 5

مِمَّا آتَاهُ اللَّهُ ۚ لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا مَا آتَاهَا ۚ سَيَجْعَلُ اللَّهُ بَعْدَ

عُسْرٍ يُسْرًا ﴿٧﴾ ع چاہیئے خرچ کرے وسعت والا اپنی وسعت کے موافق، اور جس کو

نپی تلی ملتی ہے اس کی روزی، تو خرچ کرے جیسا کہ دیا ہے اس کو اللہ نے، اللہ کسی پر

تکلیف نہیں رکھتا مگر اسی قدر جو اس کو دیا، اب اللہ دشواری کے بعد آسانی فرمادیگا"۔

یہ احکام عام ہیں۔ نفقہ زوجہ کا ہو یا مطلقہ کا۔ نابالغ اولاد کا یا ان کی حاضنہ یعنی پرورش کنندہ عورت کا۔ چوں کہ یہاں سلسلہ مطلقہ عورت کے بچے اور اسکی شیرخوارگی و پرورش اور تربیت کا ہے اس لئے مطلب یہ ہوگا:۔

بچے کے نفقہ کے احکام بچے کا نفقہ باپ پر واجب ہے۔ تنگدستی کی بنا پر ساقط نہیں ہوسکتا۔ اگر باپ کی معاشی حالت اچھی ہے۔ معقول آمدنی رکھتا ہے تو اس کو کشادہ دلی کے ساتھ بچے پر بھی خرچ کرنا چاہیئے۔ اسی طرح اس کی ماں پر بھی خرچ کرے کیوں کہ جب تک وہ دودھ پیتا رہے یہ اس کو دودھ پلاتی رہے گی۔ اور زمانۂ شیرخوارگی ختم ہونے پر اس کی تربیت اور خدمت کرتی رہے گی۔ اگر لڑکا ہے تو سات سال کی عمر ہونے تک اور لڑکی ہو تو اس کے بلوغ تک، اس کو ماں کے پاس

رکھا جائے گا۔ اس وقت تک ماں بچے کا نفقہ باپ پر واجب رہتا ہے۔ اس کے بعد بچہ باپ کے حوالے کر دیا جائے گا اب نفقہ کا کوئی سوال ہی نہ رہے گا۔ اور اگر باپ تنگ دست ہے تب بھی جس قدر ہو سکے حیثیت کے لحاظ سے نفقہ دینا ہی ہو گا۔ باپ اس سے چھوٹ نہیں سکتا۔ طلاق کی نوبت نہ آئی تھی تو وہ اپنی زوجہ اور بچے کے اخراجات کا کفیل تھا، البتہ یہ سہولت حاصل تھی کہ یکجائی انتظام میں کفایت تھی۔ اب طلاق کے باعث دو جائی انتظام کرنا پڑ رہا ہے۔ جب طلاق دیدی ہے تو اس کو بہر حال بھگتنا ہو گا۔ ان ہی حالات کے مد نظر بار بار ہدایت دی جاتی رہی کہ طلاق تو دینا چاہتے ہو مگر نتائج پر خوب غور کر لو۔ نہ خود تکلیف اٹھاؤ نہ دوسروں کو تکلیف دو۔ اب بھی اگر اللہ سبحانہ تعالیٰ کے احکام کو مان کر عسر اور تنگ دستی کا خیال کئے بغیر تعمیل احکام کرتے رہو گے تو اللہ سبحانہ کے فضل و کرم سے امید ہے کہ تمھاری تنگدستی فراخ دستی سے اور تمھارا عسر یسر سے بدل جائے۔ اور کچھ نہ کچھ سہولت میسر آجائے۔ کیوں کہ یہاں وعدہ دیا جا رہا ہے جو یقیناً تکمیل پا کر رہے گا۔

بچے کو ماں کے زیر حضانت رکھنا اس وقت ہے جب کہ ماں نے کسی ایسے شخص سے نکاح نہ کر لیا ہو جو بچے کا محرم نہ ہو۔ اگر بچے کے غیر محرم سے نکاح ہو چکا ہے تو بچہ ماں کے پاس نہ رہے گا۔

بچے کی پرورش عمرو بن شعیب اپنے باپ سے اور وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں: ان امرأۃ قالت یا رسول اللہ ان ابنی ھذا کان بطنی لہ وعاءً وثدیی لہ سقاءً وحجری لہ حواءً وان اباہ طلقنی واراد ان ینزعہ منی فقال علیہ الصلاۃ والسلام انت احق بہ مالم تنکحی۔ (ابوداؤد، حاکم بروایت صحیحہ) ایک عورت نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! میرا یہ بچہ ایسا ہے کہ میرا پیٹ اس کی حفاظت کا مقام تھا اور میرا دودھ اس کی غذا تھی اور میری گود اس کی جائے پناہ۔ اب اس کے باپ نے مجھے طلاق دیدی ہے اور چاہتا یہ ہے کہ اس کو مجھ سے چھڑا دے۔ اس پر حضور انور روحنا لہ الفداء نے فرمایا تو ہی اس کی سب سے زیادہ حق دار ہے جب تک کہ تو (کسی اجنبی سے) نکاح نہ کرلے۔"

ہاں اگر وہ ایسے شخص سے نکاح کرلے جو بچے کا محرم ہے تو عورت حضانت سے محروم نہ ہوگی۔

حضرت عمرؓ کا واقعہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ ہے کہ ہجرت کے بعد آپ نے ایک انصاریہ سے نکاح کرلیا۔ جن سے عاصم بن عمر تولد ہوئے۔ پھر آپ نے ان کو طلاق دیدی۔ بچہ ماں کے پاس ہی تھا۔ ایک دن آپ گھوڑے پر سوار جا رہے تھے

بچے کو دیکھا کہ مسجد قبا کے صحن میں کھیل رہا ہے۔ اس کا ہاتھ پکڑ کر آپ نے گھوڑے پر بٹھا لیا اور اپنے گھر لانے لگے۔ یہ واقعہ عہد خلافت صدیقی کا تھا۔ بچے کی ماں اور نانی نے بارگاہ خلافت میں فریاد کی خلیفہ اعظم حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا۔ خل بینہ و بینھا مسحھا وحجرھا وریحھا خیرلھا منك حتی یشب الصبی فیختار لنفسہ۔ بچہ اور اس کی ماں کے درمیان حائل نہ ہوں۔ اس کا ہاتھ پھیرنا، اور اس کی گود، اور اس کی بُو اس کے حق میں تم سے کہیں بہتر ہے۔ تاآنکہ بچہ بڑا ہو اور وہ اپنے کام اپنی پسند سے آپ خود کرلینے لگے۔" حضرت عمرؓ نے چپ چاپ تعمیل حکم کی۔ اور دم نہ مار سکے۔" (امام مالک، عبدالرزاق، بیہقی، ابن ابی شیبہ) بیہقی کی روایت میں اتنا اضافہ اور ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ نے فرمایا کہ میں نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ماں اپنے بچے سے علیحدہ نہیں رکھی جاسکتی۔"

اجرت رضاعت تمام ائمہ متفق ہیں کہ کمی کے ساتھ جو اجرت دوسری عورتیں دودھ پلانے پر لینا چاہتی ہوں اگر ماں اس پر رضامند ہوجائے تو باپ کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ بچے کو دودھ پلانے کے لئے ماں کے سوا کسی اور عورت کا انتخاب کرے۔ اور اگر اجرت مثل سے کم پر عورت رضامند نہ ہو اور باپ قادر ہونے کے باوجود اجرت مثل دینے پر آمادہ

نہ ہو اور یہ کہتا ہو کہ مجھے اس سے کم پر بلکہ بلا اجرت مفت دودھ پلانے والیاں مل سکتی ہیں تو ہمارے امام حضرت سیدنا امام احمدؒ حنبل فرماتے ہیں کہ باپ کو اجرت مثل دینے اور ماں کا دودھ پلانے پر مجبور کیا جائے گا۔ حضرت امام اعظمؒ ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ باپ پر اس صورت میں جبر نہیں کیا جا سکتا۔ دلائل کتب فقہ میں مسطور ہیں۔

مومن کا ادب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ ان المومن اخذ من اللہ ادبا حسنا اذا وسع علیہ وسع علی نفسہ واذا امسك علیہ امسك (بیہقی) مومن اللہ سبحانہ تعالیٰ سے اچھا ادب (طریقہ معیشت) سیکھتا ہے۔ جب اللہ نے اس کو وسعت دی تو یہ بھی خود پر وسعت دیتا ہے اور جب وہاں سے رکاوٹ پیدا ہوئی تو یہ بھی (اپنی حد پر) رک گیا۔" مطلب یہ کہ رزق میں وسعت ملے تو مومن بھی وسعت سے کام لیتا ہے اور اگر تنگی رونما ہوئی تو اخراجات ہاتھ روک کر کرنے لگا۔

حضرت ابو عبیدہؓ کا واقعہ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلافت فاروقی میں عامل بنائے گئے تھے۔ حضرت عمرؓ نے ایک دفعہ ان کا حال لوگوں سے دریافت فرمایا کہ ان کی گزر بسر کیسی ہو رہی ہے؟ جواب ملا:۔ یلبس الغلیظ من الثیاب ویأکل اخشن الطعام۔ موٹا دھاٹا پہنتے اور موٹا دھاٹا کھاتے ہیں۔" آپ نے

ایک ہزار دینار ان کے پاس بھجوا دئے۔ اور قاصد سے کہا کہ ان کا عمل کیا رہتا ہے اس کو واپسی پر بیان کرنا۔ اس نے واپس آن کر بیان کیا کہ رقم ملتے ہی انہوں نے لباس اور طعام کی اصلاح کرلی۔ اب وہ اچھا کھانا اور عمدہ لباس پہنتے ہیں۔" یہ سن کر فرمایا:۔ رحمہ اللہ تاول ھذہ الآیۃ لینفق ذو سعۃ من سعتہ ومن قدر علیہ رزقہ فلینفق مما اتاہ اللہ۔ اللہ ان پر رحم فرمائے انہوں نے اس آیہ کریمہ کی طرف رجوع کیا جس کا مضمون یہ ہے کہ کشائش والا اپنی کشائش سے کام لے اور جس پر رزق کی تنگی ہو تو اللہ نے اس کو جو کچھ دیا ہے اسی میں سے خرچ کیا کرے۔"

نیت کا اعتبار ہے مقدار معتبر نہیں

حضرت شاہ ولایت سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے روایت ہے:۔ جاء رجل الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان لہ مائۃ اوقیۃ بعشر اواق وجاء رجل کان لہ مائۃ دینار بعشر دنانیر وجاء رجل کان لہ عشرۃ دنانیر بدینار فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم انتم فی الاجر سواء کل واحد منکم جاء بعشر مالہ ثم قرأ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لینفق ذو سعۃ من سعتہ۔ (ابن مردویہ) ایک شخص جس کے پاس (۱۰۰) اوقیہ تھے اس نے دس اوقیہ حضرت

حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت مبارک میں پیش کئے۔ اور دوسرا جس کے پاس (۱۰۰) دینار تھے اس نے دس دینار، اور تیسرا جس کے ہاں دس دینار تھے اس نے ایک دینار پیش کیا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم (تینوں) ثواب میں برابر ہیں کہ تم میں سے ہر ایک نے اپنے مال کا دسواں حصہ پیش کیا ہے۔ پھر آپ نے یہ آیہ کریمہ تلاوت فرمائی جس کا ترجمہ یہ ہے کہ وسعت والا اپنی وسعت کے لحاظ سے خرچ کرنا چاہئے"۔ ایسی ہی ایک روایت طبرانی نے حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ثواب نیت پر موقوف ہے۔ مقدار پر نہیں۔ ہر ایک صاحب نے اپنے مال کا صرف دسواں حصہ راہ خدا میں دینے کی نیت کی تھی۔ اجر بھی اسی اعتبار سے مترتب ہوا۔ یہ اور بات ہے کہ (۱۰) اوقیہ اور (۱۰) دینار اور ایک دینار میں مقدار کے لحاظ سے بہت فرق ہے۔

لَا یُکَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَآ اٰتٰهَا۔ اللہ کسی کو مشقت نہیں دیتا مگر اتنی جس کو وہ سہار رہے"۔ یعنی طاقت اور وسعت سے بڑھ کر اللہ سبحانہ کسی کو کوئی تکلیف کا حکم نہیں دیتے۔

امام زہریؒ کا استنباط حضرت ابن شہاب زہریؒ سے جو حضرت امام مالکؒ کے استاذ ہیں یہ مسئلہ دریافت کیا گیا کہ ایک شخص اتنا تنگ دست ہو گیا کہ وہ اپنی زوجہ کا

نفقہ تک ادا نہیں کر سکتا تو کیا ان دونوں میں تفریق کر دی جائے؟ تو آپ نے فرمایا:۔

یستأنی لہ ولا یفرق بینھما وتلا لا یکلف اللہ نفسا الا ما اتاھا سیجعل اللہ بعد عسر یسرا ۔ (عبدالرزاق) اس کو سہولت دی جائے اور انتظار کیا جائے ان دونوں میں تفریق نہ کی جائے۔ پھر آپ نے یہ آیہ کریمہ تلاوت فرمائی کہ اللہ سبحانہ کسی کو اپنے دئے ہوئے سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ تنگدستی کے بعد اللہ سبحانہ سہولت دے دے گا۔" خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے بھی اسی طرح فرمایا ہے اور یہی قول حضرت امام اعظمؒ کا ہے۔

وَكَأَيِّن مِّن قَرْيَةٍ عَتَتْ عَنْ أَمْرِ رَبِّهَا وَرُسُلِهِ فَحَاسَبْنَاهَا 5-8
حِسَابًا شَدِيدًا وَعَذَّبْنَاهَا عَذَابًا نُّكْرًا ٥ فَذَاقَتْ وَبَالَ أَمْرِهَا 5-9
وَكَانَ عَاقِبَةُ أَمْرِهَا خُسْرًا ٥ اور کتنی بستیاں کہ نکل چلیں حکم سے اپنے
پروردگار کے اور اس کے رسولوں کے، پھر ہم نے حساب لیا ان سے سخت حساب،
اور آفت ڈالی ان پر ان دیکھی آفت، پھر چکھی انھوں نے سزا اپنے کام کی
اور آخر کو رہا ان کے کام میں ٹوٹا انتہا کا۔"

عَتَتْ مشتق ہے عُتُوٌّ سے۔ جس کے معنی ہیں اعراض و سرکشی اور طغیان۔ اور حساب شدید یہ ہے کہ رتی رتی کا حساب کھوج کرکر کے لینا جس میں کسی عفو اور درگزر کو دخل نہ ہو۔ اور عذاب نکر یہ کہ ایسی نوعیت کا عذاب جو کبھی دیکھا نہ سنا، یا خلاف توقع۔

امم سابقہ سے ایک سبق طلاق کی اہمیت جتانے، اس کے نفع و ضرر کے پہلوؤں کو نمایاں کر دکھانے، اس سے رجوع کر لینے کے طریقے سکھانے، یا طلاق و فراق ہی پر مائل ہونے کی صورت میں معروف و جمیل طریقہ بتلانے، نفقہ و سکنیٰ نومولود بچے کے دودھ کے احکام تک تعلیم دینے اور ہر موقع پر تقویٰ کی تاکید اکید کرنے کے بعد اپنے ماننے والوں کو متنبہ فرمایا جارہا ہے کہ خدائے تعالیٰ اور

اوس کے رسول کریم تو تم پر اتنے مہربان ہیں کہ وہ تم کو نہ صرف آخرت میں نجات کی سعادت سے بہرہ ور کرنا چاہتے ہیں بلکہ تمھاری معاشرت، ازدواجی حالات، اولاد کی پرورش، وغیرہ کے بہترین اصول بتلاکر تمھاری دنیوی زندگی کو بھی پر لطف اور خوشگوار بنانا چاہتے ہیں۔ اب اگر کوئی اس کی قدر نہ جانے اور خدا و رسول کے احکام و ہدایات سے روگردانی اور اعراض کرے یا ان کے مقابلہ میں سرکشی و عناد پر اتر آئے تو ان کو قدیم شہروں اور بستیوں نیز وہاں کے باشندوں کی سرگزشت سے سبق لینا چاہیئے کہ امم سابقہ نے احکام خدا و رسول سے کس طرح روگردانی و سرکشی کی اور کیسے تمرد و عناد کا اظہار کیا کہ عصیاں و نافرمانی کا کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا۔ اس کی پاداش میں ہم نے اول اول شدت کے ساتھ ان کا محاسبۂ اعمال کیا۔ جس میں نہ کسی نوع کی رعایت کارفرما تھی نہ کوئی عفو و درگزر۔ جب نامۂ اعمال سیاہ ہو گیا جس کے آگے دوسروں کے نامۂ اعمال کی سیاہی کی کوئی حقیقت نہ تھی تو ان کو اُن دیکھے اور اَن سُنے عذاب میں مبتلا کیا۔ اول اول تو صرف محاسبہ تھا۔ اپنی اصلاح چاہتے تو ممکن تھی۔ دوسرا درجہ عذاب دنیوی کا تھا۔ اس حد پر بھی اصلاح حال ممکن تھی جب کہ وہ عذاب سزائے موت سے کم رہو۔ اس نوبت پر بھی انھوں نے خود کو بچانے کی کوشش نہ کی اور اسی حالت میں ان کا خاتمہ ہوا تو اب ان کو اس سے

بڑھ کر دائمی عذاب شدید کے لئے تیار رہنا چاہیے جس کا بیان آرہا ہے۔

أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا فَاتَّقُوا اللَّهَ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ 65-10

الَّذِينَ آمَنُوا قَدْ أَنْزَلَ اللَّهُ إِلَيْكُمْ ذِكْرًا ۝ رَسُولًا يَتْلُوا 65-11

عَلَيْكُمْ آيَاتِ اللَّهِ مُبَيِّنَاتٍ لِيُخْرِجَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ

مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ وَمَنْ يُؤْمِنْ بِاللَّهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا

يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا

قَدْ أَحْسَنَ اللَّهُ لَهُ رِزْقًا ۝ تیار رکھا ہے اللہ نے ان کے واسطے سخت

عذاب، لہذا ڈرتے رہو اللہ سے اے عقل والو! وہ جو ایمان لائے ہو بے شک

اتاری اللہ نے تم پر نصیحت، رسول ہیں جو پڑھ کر سناتے ہیں تم کو اللہ کی روشن

آیتیں تاکہ نکالیں ان لوگوں کو جو یقین لائے اور کئے بھلے کام اندھیریوں سے

روشنی میں اور جو کوئی ایمان لائے اللہ پر اور کرتا رہے کچھ بھلائی اس کو داخل

کرے باغوں میں نیچے بہتی ہیں جن کے نہریں ٹھہرے رہیں ان میں ہمیشہ بیشک

خوب دی اللہ نے ان کو روزی "

عذاب شدید سے دنیوی سزا مراد ہے بعض مفسرین کرام نے یہاں عَذَابًا

شَدِيدًا سے عذاب دنیوی اور فَحَاسَبْنَاهَا حِسَابًا شَدِيدًا وَعَذَّبْنَاهَا

(التحریم، ۶۶ ب ۱۰، پ ۲۸)

عَذَابًا نُّكْرًا" سے حساب و عذاب اخروی مراد لیا اور فرمایا ہے کہ ان آیات کریمہ میں تقدیم و تاخیر ہے۔ اس اعتبار سے حق عبارت یوں ہوگا:۔ وکاین من قریۃ عتت عن امر ربھا و رسلہ فاعد اللہ لھم عذابا شدیدا و حاسبنھا حسابا شدیدا و عذبناھا عذابا نکرا جس کے معنی یہ ہونگے کہ "کتنی بستیاں ایسی ہوئی ہیں جنھوں نے اپنے پروردگار اور اس کے پیغمبروں کے احکام سے سرکشی کی تو اللہ نے ان کے واسطے سخت عذاب (دنیا میں) تیار رکھا اور (آخرت میں) ہم نے ان کو سخت حساب میں مبتلا کیا اور ان دیکھا عذاب دیا" گو یہ تفسیر بھی ایک حد تک بظاہر درست معلوم ہوتی ہے مگر تقدیم تاخیر ماننا مجاز ہے اور اس کی ضرورت اس وقت ہوتی ہے جب کہ حقیقت متعذر ہو۔ یہاں جب حقیقی معنی درست ہوسکتے ہیں تو خواہ مخواہ مجاز ماننے کی حاجت نہیں۔ نیز اس تقدیر پر بھی کچھ تشنگی رہ جاتی ہے جو اہل علم سے پوشیدہ نہیں۔ اسی لئے ہم نے صاف و صریح تفسیر عرض کی۔

عذاب شدید سے اخروی سزا مراد ہے یعنی کتنے امم سابقہ نے اپنے پروردگار اور اس کے رسولوں کے حکم سے سرتابی کی تو ہم نے ان کو (دنیا میں) سخت حساب میں گرفتار کیا اور ان کو ان دیکھا عذاب دیا۔ نیز اللہ نے ان کے واسطے (آخرت میں)

سخت عذاب تیار کر رکھا ہے" اگر وہ سرتابی سے باز آتے تو دنیوی سزا ان کے گناہوں کا کفارہ ہو جاتی مگر چونکہ وہ اپنی سرتابی اور سرکشی سے باز نہیں آئے اس لئے حساب و عذاب دنیوی کے علاوہ آخرت کا عذاب شدید بھی تیار رکھا ہے۔ لہٰذا تم اللہ سے ڈرتے رہو اے عقل والو! جو ایمان یعنی یقین رکھتے ہیں "

اہل ایمان ہی اولوالالباب ہیں یہاں یہ امر قابل توجہ ہے کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ کا ارشاد ہو رہا ہے:۔ یٰاُولِی الْاَلْبَابِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ۔ اے عقل والو! جو ایمان لائے یعنی یقین رکھتے ہیں" مطلب یہ ہے کہ گو ہر قوم بلکہ ہر شخص اپنی عقل و دانش پر نازاں ہو اس لئے کہ ہر کس را عقل خود بکمال نماید و فرزند خود بجمال ہر شخص کو اپنی عقل، عقل کامل دکھائی دیتی ہے اور اپنا بچہ دوسروں کے تمام بچوں سے حسین و خوب صورت نظر آتا ہے جبھی تو وہ اس کو پیار کرتا اور اپنا تن من دھن اس پر نثار کرتا ہے۔ عقل حقیقت میں ہے بھی ایسا جوہر کہ وہ ہر کس و ناکس کو محبوب اور عزیز ہے۔ انسان سے اگر دیگر اوصاف کی نفی کی جائے تو وہ اس کو برداشت کر سکتا ہے لیکن عقل کی نفی کی جائے تو وہ برداشت نہیں کر سکتا۔ حضرت سعدی علیہ الرحمہ نے کیا خوب فرمایا:۔

گر از بسیط زمیں عقل منعدم گردد　　بخود گماں نبرد ہیچ کس کہ نادانست

عقل و دانش کے مدعیوں سے اگرچہ ساری کائنات بھری ہوئی ہے مگر ان کی عقلیں صرف مادیات کی تحقیقات میں اُلجھی ہوئی ہیں اور ان کی رسائی اسی حد تک محدود رہ گئی ہے۔ خالق کائنات کے نزدیک اولوالالباب (عقل والے) وہی ہیں جو ایمان لائے ہوئے ہیں یعنی اللہ سبحانہ تعالیٰ اور اس کی تمام باتوں پر یقین رکھتے ہیں۔

فراست مومن حضرت سرورِ کائنات علیہ التحیۃ والتسلیمات نے ارشاد فرمایا:۔ اتقوا فراسۃ المؤمن فانہ ینظر بنور اللہ مومن کی دوررس دانائی سے ڈرتے رہو کیونکہ وہ اللہ سبحانہ کے نور لایزالی سے دیکھا کرتا ہے۔"
آپ معمولی خود ساختہ عینک، خردبین، دوربین اور آلات رصد کے ذریعے سے جراثیم دور سے دور تر اشیاء بلکہ سیارات و کواکب افلاک کو دیکھ سکتے ہیں تو غور کرو جس کی آنکھوں پر نور الٰہی کی بصارت و بصیرت افروز عینک ہوگی وہ کائنات اور اس کے ہر ہر ذرہ کا مطالعہ کس نگاہ بلند سے کرتا ہوگا؟ خواہ عالم ناسوت سے تعلق رکھتا ہو یا ملکوت و لاہوت وغیرہ عوالم سے۔

مومن کامل کی نظر ایک بزرگ نے فرمایا:۔ ما رأیت شیئا الا و رایت اللہ معہ۔ میں نے جس کسی چیز کو دیکھا تو اس کے ساتھ ساتھ اللہ سبحانہ کو بھی دیکھا۔" کسی نے قبلہٗ فرمایا اور کسی نے بعدہٗ ہر بزرگ نے اپنا اپنا حال

بیان فرمایا۔ ایک عارف کامل نے یوں فرمایا: ـ ما رأیتُ شیئاً الّا و رأیتُ اللہ فیہ ۔ جس کسی چیز کو میں نے دیکھا تو اس میں حق ہی کو جلوہ گر دیکھا" استاذی حقائق آگاہ معارف دستگاہ حضرت الحاج العلامہ مولٰنا حافظ محمد انوار اللہ فضیلت جنگ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں

خیالت مرا مردم دیدہ شد ۔ از و ہرچہ دیدم رخت دیدہ شد
دلے داشتم در ہوائے تو رفت ۔ سرے بود و او نیز شوریدہ شد
کنوں نوبت جاں ست ایں ہم جاں ۔ چو دیدم رُخت از رہِ دیدہ شد رفت
چہ غم گر سلامت بود جانِ تو
تنت انورا گر پژولیدہ شد

مومن کی شان عزیزو! مومن کی شان ہی نرالی ہے ۔ اس خاکدان عالم میں "اللہ" کے سوا اس کا کچھ نہیں ۔ مومن کا تن من دھن سب کچھ مولیٰ سبحانہٗ کے ہاتھوں بک چکا ہے اس کا اپنا کچھ نہیں ۔ انّ اللہ اشتریٰ من المومنین انفسھم و اموالھم بانّ لھم الجنۃ ۔ اللہ سبحانہٗ نے تمام ایمان والوں کی جانوں اور ان کے اموال کو جنت کے بدلے میں خرید فرمالیا ہے" فاستبشروا ببیعکم الذی بایعتم بہ ۔ اس بیعت و بیع کا معاملہ جو تم کرچکے ہو تم اس پر خوش، مطمئن اور مسرور رہو" کوئی بندۂ مومن نادان سے نادان تر بھی خیال

کیا جاتا ہو چونکہ اللہ سبحانہ اور اس کی تمام باتوں پر مومن کو یقین کامل حاصل ہے تو وہ "نادان" نہیں کہلا سکتا۔ اور نہ کبھی اس کا کوئی نقصان ہو سکتا ہے کیونکہ اپنا سب کچھ اس کے حوالہ کر کے ہر چیز کا اس نے تحفظ کر لیا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُضِیعُ اَجرَ المُومِنِین۔ ہاں یہ یاد رکھو۔

ذکراً کی تفسیر | قَدْ اَنْزَلَ اللّٰہُ اِلَیْکُمْ ذِکْراً۔ بے شک اتارا ہے اللہ نے تمہارے فائدے کے لئے ذکر" یعنی یاد دہانی۔ جو ہر دم تم کو یاد دہی کرتی رہتی ہے یا نصیحت جو ہر طرح تمہاری خیر خواہ ہے۔ یہ "ذکر" کیا ہے؟ اس کی نسبت مفسرین کرام کے دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ "ذکر" سے مراد قرآن کریم۔ جو اللہ سبحانہ کے حکم سے حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ذریعے لوح محفوظ سے اتارا گیا۔

طلبۂ علوم عربیہ سے خطاب | اس تفسیر کی رو سے یہاں وقف تام کرنا ہوگا ذِکْراًo اور اس کے بعد وَاَرْسَلَ مقدر ہوگا۔ یعنی وَاَرْسَلَ رَسُوْلاً یَّتْلُوْا عَلَیْکُمْ اٰیَاتِ اللّٰہِ مُبَیِّنَاتٍ۔ اور بھیجا ایسے رسول کو جو پڑھ کر سناتے ہیں تم کو اللہ کی آیتیں وضاحت سے بیان کرنے والی" یہ تفسیر قواعد عربیت اور محاورہ اہل لسان کے لحاظ سے درست ہے۔ محاورہ ہے:۔ علفتہ تبناً وماءً بارداً۔ اس میں ماءً بارداً سے پہلے سَقَیْتُہٗ مقدر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ

میں نے اس (جانور) کو گھانس کا چارہ دیا اور (اس کو) ٹھنڈا پانی (پلایا)"
جس طرح اس محاورے میں سَقَیْتُہٗ مقدر ہے اسی طرح رَسُوْلاً سے پہلے وَاَرْسَلَ
مقدر ہے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ اللہ نے قرآن بھی نازل کیا اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم کو بھی مبعوث فرمایا۔

ذکراً رسولاً کی تفسیر | بعض مفسرین کرام نے "رسولاً کو ذکراً کا بدل
قرار دیا ہے۔ اس صورت میں یہاں کسی لفظ کو مقدر ماننے اور ذکراً پر وقف تام
کرنے کی ضرورت نہ ہوگی۔ ذِکْراً ۙ رَّسُوْلاً کے معنی یوں ہوں گے کہ اللہ
سبحانہ نے عقل والوں یعنی ایمان والوں کے فائدے کے لئے ذکر یعنی یاددہانی
اور نصیحت اتاری ہے وہ ذکر یعنی یاددہانی اور نصیحت و خیر خواہی خود حضرت
رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مبارک ہے جو اللہ کا ذکر بکثرت فرماتے
رہنے کی بدولت مجسم ذکر کہلانے کے مستحق ہیں۔ چنانچہ اسی بنا پر آپ کے اسمائے
مبارکہ میں ایک نام نامی و اسم گرامی سیدنا ذِکْر صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہے۔
یہ تفسیر امام سجاوندی کے قائم کردہ اور مسلمہ اوقاف کے بھی مطابق ہے کیونکہ امام
موصوف نے ذکراً ۙ پر وقف نہیں بلکہ لا تحریر فرمایا ہے۔ جس کا مطلب یہ
ہے کہ یہاں وقف نہ کیا جائے۔ ہمارے نزدیک بھی یہی تفسیر اولیٰ ہے۔ واللہ اعلم۔

ذکر کے برکات	لیخرج الذین آمنوا وعملوا الصالحات من الظلمات

الی النور تاکہ یہ رسول جن کا ایک مبارک لقب ذکر ہے وہ ایمان والوں اور نیک کام کرنے والوں کو اندھیریوں سے روشنی کی طرف نکال لائیں۔ چنانچہ جو لوگ آپ کی بعثت شریفہ سے پیشتر جہل، شرک، کفر کی تاریکیوں میں گھرے ہوئے تھے آپ نے ان کو علم، عرفان، ایمان و ایقان، اور اعمال صالحہ کے میدان میں لا کھڑا کر دیا۔ اور حضرت سراج منیر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غافل انسان کے قلب و دماغ میں ذکر الہی کا ایسا چراغ روشن فرمایا جس سے لاکھوں کروڑوں چراغ قیامت تک روشن ہوتے اور چار دانگ عالم کو اپنے انوار اور ضیا پاشیوں سے منور کرتے رہیں گے۔

رزقاً کی تفسیر	وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُّدْخِلْهُ

جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا قَدْ اَحْسَنَ اللّٰهُ لَهٗ رِزْقًا۔ اور جو کوئی اللہ سبحانہ پر یقین رکھے اور اس یقین کے بموجب بھلے کام کرتا ہے تو اللہ سبحانہ اس کو باغوں میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہوں گی (پانی کی۔ دودھ کی۔ شراب کی اور مصفا شہد کی) وہ ان میں قیام پذیر رہیں گے ہمیشہ ہمیشہ۔ بے شک اللہ نے اس کا حصہ بہت اچھا مقرر

فرمایا" لغت میں رزق کے معنی حظ یعنی حصے کے ہیں۔ دیکھئے مومن کے حصے میں
اس کے ایمان اور عمل صالح کے بدلے میں کیسی اچھی چیز آئی۔ لہٰذا اہل ایمان کو
چاہیے کہ ایمان پر قائم اور اعمال صالحہ میں تا امکان لگے رہیں۔

-12 اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّ مِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ ؕ
یَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَیْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۙ۬
وَّ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَیْءٍ عِلْمًا ۧ اللہ ہی ہے جس نے بنائے
سات آسمان، اور زمین بھی ان جیسی، اترتا ہے اس کا حکم ان کے اندر،
تاکہ تم جانو کہ اللہ ہر چیز کر سکتا ہے اور اللہ کے علم میں سمائی ہے ہر چیز کی"

یہ آخری آیت پوری سورت کا خلاصہ ہے	یہ آیۂ کریمہ سورہ طلاق کی آخری آیت ہے جس میں پوری سورت شریفہ کا خلاصہ بیان

فرماتے ہوئے مزید امور مہمہ ارشاد ہوئے ہیں جن کے ادراک سے نہ صرف عام
عقول و افہام قاصر ہیں بلکہ بڑے بڑے عقلاء (حکماء و فلاسفہ) اور ہیئت داں بھی
اپنے عجز و قصور کا اعتراف کئے بغیر نہیں رہ سکتے بشرطیکہ وہ ایمان رکھتے ہوں
اللہ سبحانہ پر اور اس کے رسول برحق حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ
وآلہ وسلم پر رہے وہ جن کو دولت ایمان ہی نصیب نہیں ان سے بحث نہیں

(۱۲) ۲ع۱۸ ۶۵

نیز وہ اصحاب جو ایمان کی صفت سے موصوف تو ہیں مگر ہر چیز کو اپنی میزان عقل پر تولنے کے عادی ہو گئے ہیں یا اس کے ساتھ مشاہدہ بھی چاہتے ہیں ان کی خدمات میں عرض ہے کہ عقل انسانی ناقص ہے اس کی رسائی تا بحد علم ہے اور علم انسانی کے متعلق قرآن کریم کا فیصلہ ہے :۔ وما اوتیتم من العلم الا قلیلا۔ یعنی تم کو تھوڑا سا علم دیا گیا ہے "۔ اور جو حضرات خواہان مشاہدہ ہیں ان سے عرض ہے کہ آپ سے ایمان بالغیب کا مطالبہ کیا گیا ہے۔ آپ اپنا فرض انجام دیجئے۔ اللہ سبحانہ نے مشاہدہ کا مقام دار آخرت کو قرار دیا ہے وہاں سب کچھ فرمودۂ خدا و رسولؐ کا مشاہدہ ہو جائے گا۔ اور اگر باری تعالیٰ کو منظور ہو گا تو دار دنیا میں بھی مشاہدہ ہو کر رہیگا وما ذٰلك على الله بعزيز۔

ستبدی لك الايام ما كنت جاهلا ويأتيك بالاخبار مالم تزود

مِثْلَهُنَّ کی تفسیر اس آیہ کریمہ میں صرف ایک تشبیہ جو " مِثْلَهُنَّ " کے ذریعہ دی گئی ہے اجلۂ مفسرین کرام کے لئے جالب نظر اور جاذب قلب بنی ہوئی ہے یہ نہ کوئی بھاری لغت ہے اور نہ خاص محاورہ استعمال ہوا ہے ارض یعنی زمین مُشَبَّہ ہے مگر مشبہ بہ اور وجہ تشبیہ میں مختلف اقوال ہیں۔ اسی سے قرآن کریم کی بلاغت ظاہر ہے جو شان اعجاز رکھتی ہے۔

وحدت ارض ایک گروہ مفسرین کا کہنا ہے کہ ارشاد باری تعالیٰ خلق سبع سموٰات ومن الارض مثلھن میں ارض یعنی زمین "مشبہ" ہے اور خلق فعل ماضی، نیز اس میں خلق مصدر جو سمجھ میں آتا ہے وہ مشبہ بہ اور وجہ تشبیہ ہیں۔ مطلب یہ کہ اللہ سبحانہ نے جس طرح سات آسمانوں کو پیدا کیا اسی طرح زمین بھی پیدا کی یعنی سات آسمانوں اور زمین دونوں کا خالق اللہ سبحانہ ہے۔ اس قول سے یہ ثابت ہوا کہ زمین ایک ہے اور آسمان سات۔

وحدت ارض کی دلیل وحدتِ زمین کی نسبت ان کا استدلال یہ ہے کہ قرآن کریم میں جہاں کہیں زمین کا بیان آیا ہے اس کی تعبیر لفظ ارض سے بصیغہ واحد فرمائی گئی ہے۔ ارضون، ارضین، اراضی وغیرہ بصیغہ جمع کہیں تعبیر نہیں فرمائی گئی۔

زمینیں سات ہیں دوسرا گروہ اس کا قائل ہے کہ مشبہ بہ سبع سموٰات ہیں یعنی جس طرح اللہ سبحانہ نے سات آسمان پیدا کئے اسی طرح زمینیں بھی سات پیدا فرمائی ہیں۔ اور استدلال مذکور کا جواب یہ دیا ہے کہ ارض بصیغہ جمع قرآن کریم میں نہ سہی، احادیث شریفہ میں سبع ارضین کی صراحت کے ساتھ بکثرت وارد ہے۔ چنانچہ بخاری شریف میں حضور مجاب الدعوات علیہ الصلوات والتسلیمات کی

ایک مناجات میں ہے:۔ اَللّٰھُمَّ رَبَّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَمَآ اَظْلَلْنَ وَرَبَّ الْاَرَضِیْنَ السَّبْعِ وَمَآ اَقْلَلْنَ ۔ اے اللہ! ساتوں آسمانوں کے مالک، اور ان سب چیزوں کے جن پر وہ سایہ فگن ہیں۔ اور ساتوں زمینوں کے مالک، اور ان تمام چیزوں کے جن کی وہ حامل ہیں"۔ اس حدیث شریف کی کعب احبار نے حلفیہ طور پر حضرت صہیب رومی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضورؐ اس مناجات کو ہر بستی میں رونق افروز ہوتے وقت، وردِ زبان فرماتے تھے۔

حضرت ابوہریرہؓ کی ایک طویل حدیث میں ہے کہ حضورؐ انور نے صحابہ سے دریافت فرمایا:۔ ھل تدرون ما تحتکم قالوا اللہ ورسولہ اعلم قال الارض وتحتھا ارض اخری بینھما خمسمائۃ عام۔ (امام احمدؒ۔ عبد بن حمید، ترمذی، ابن المنذر، ابن مردویہ، بیہقی، ابوالشیخ) کچھ جانتے ہو کہ تمہارے نیچے کیا ہے؟ صحابہ نے عرض کیا اللہ اور اس کے رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ ارشاد ہوا کہ زمین ہے اور اس کے نیچے دوسری زمین ہے (اس طرح آپ نے سات زمینوں کا ذکر کر کے فرمایا) ہر دو زمینوں کے درمیان (۵۰۰) سال کی مسافت کا فصل ہے"۔ اسی طرح متعدد احادیث شریفہ میں نیز آثار صحابہ کرامؓ میں

سات زمینوں کا بصراحت بیان آیا ہے جن کے انکار کی گنجائش نہیں۔

عرض فقیر فقیر عرض کرتا ہے کہ خود آیہ کریمہ اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ یَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَیْنَهُنَّ کے سیاق پر اگر غور کیا جائے تو قرآن کریم میں بھی اس جانب اشارہ پایا جاتا ہے۔ وہ اس طرح کہ قرآن کریم میں دیگر مقامات پر جہاں کہیں آسمانوں اور زمین کی آفرینش کا بیان آیا ہے خلق السموات والارض وما بینهما ارشاد ہوا ہے یعنی وحدت ارض کے ساتھ سموات بصیغہ جمع کو بھی ایک وحدت قرار دے کر دونوں کے لئے بینهما ضمیر تثنیہ استعمال فرمائی گئی۔ اور یہاں سبع سموات بصیغہ جمع کو معنی جمعی پر قائم رکھتے ہوئے الارض بصیغہ واحد ذکر فرمانے کے باوجود بصیغہ جمع ارضین قرار دیکر یتنزل الامر بینهن ضمیر جمع کے ساتھ تعبیر فرمائی گئی ہے۔ ورنہ انتشار ذہنی ہوگا۔ ھذا ما سنح للفقیر واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

سات طبق زمین کی تفصیل جن مفسرین کرام نے الارض کی تفسیر الارضون السبع سے فرمائی ہے۔ درجہ تفصیل میں ان کے اقوال حسب ذیل ہیں:۔

(۱) "یہ طبقہ ہیں چنانچہ ضحاکؒ فرماتے ہیں:- انھا سبع ارضین ولکنّھا مطبقۃ بعضھا علی بعض من غیر فتوق بخلاف السمٰوات۔ وہ سات زمینیں ہیں لیکن وہ ایک دوسری پر جمی ہوئی اور ایک دوسری سے چسپیدہ ہیں جن میں کوئی فصل نہیں ہے۔ آسمانوں کا حال اس سے مختلف ہے کہ ان میں فصل ہے۔ گویا مِثْلَهُنَّ کی تشبیہ صرف ان کا عدد سات ہونے میں ہے۔ اوصاف میں تشبیہ نہیں ہے۔

حکماء اور فلاسفہ نیز ماہرین طبقات الارض کی رائے بھی اس کے قریب قریب ہے چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ زمین کے حسب ذیل سات طبقات ہیں:-

الف۔ طبقہ تراب خالص، جو مرکز زمین سے ملصق ہے۔ اس سے اوپر

ب۔ طبقہ طینیہ۔ یعنی پانی ملی ہوئی مٹی (کیچڑ، دلدل، گارا، خمیر) اس سے اوپر

ج۔ طبقہ معدنیہ۔ جہاں معدنیات اور کانیں ہیں۔ اس سے اوپر

د۔ طبقہ منکشفہ۔ مسکن بنی آدم وحیوانات، طیور و نباتات وغیرہ۔ اس سے اوپر

ھ۔ طبقہ ادخنہ۔ جہاں بخارات صعود کرکے اکٹھے ہوتے ہیں۔ ابر۔ برق رعد۔ صاعقہ۔ اسی میں ہوتا ہے۔ اس سے اوپر

و۔ طبقہ زمہریریہ۔ سردی اور سرد لہروں کا منبع۔ اس سے اوپر

نر۔ طبقہ نسیم رقیق۔ ہواؤں کا منبع اور سرچشمہ۔ اس سے اوپر سلسلہ افلاک ہے۔
اس کے علاوہ ہر دو طبقات کے درمیان ان کے امتزاج سے بھی ایک ایک طبقہ
بنا جاتا ہے جس کو طبقہ ممتزجہ کہتے ہیں مگر چونکہ یہ طبقات کوئی مستقل وجود نہیں
رکھتے اس لئے ان کا اعتبار نہیں۔

(۲ و ۳) یہ سات زمینیں "متجاورہ" ہیں یعنی ایک دوسرے کے جوار اور پہلو میں
ہیں۔ یا "منبسط" یعنی پھیلے ہوئے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ کا ایک مقولہ ہے:۔
انھا سبع ارضین منبسطة لیس بعضھا فوق بعض تفرق بینھا البحار
وتظل جمیعھم السماء (کلبی) وہ سات زمینیں پھیلی ہوئی ہیں، ایک زمین دوسری
کے اوپر نہیں ہے۔ سمندر ان کو ایک دوسرے سے جدا کرتے ہیں۔ اور ان سب پر
آسمان سایہ فگن ہے" اس سے ہفت اقلیم مراد ہو سکتے ہیں یا اس کے قریب قریب
ماہرین جغرافیہ کا قول بھی ہو سکتا ہے یعنی سات برّاعظم۔ (ایشیا[1]۔ یورپ[2]۔ افریقہ[3]
آسٹریلیا[4]۔ امریکہ شمالی[5]۔ امریکہ جنوبی[6]۔ انٹارٹیکا) ۔ مگر احادیث شریفہ سے ان
اقوال کی تائید نہیں ہوتی۔

(۴) حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا:۔ بین کل سماء بین ارض۔ ہر دو
آسمانوں کے درمیان ایک زمین ہے" اس طرح سات آسمان اور سات زمینیں۔

(۵) قال الجمهور انها سبع ارضين طباقا بعضها فوق بعض بين كل ارض وارض مسافة كما بين السماء والارض وفي كل ارض سكان من خلق الله۔ جمہور علماء فرماتے ہیں کہ وہ سات زمینیں ہیں درجہ بدرجہ ایک زمین دوسری کے اوپر ہے اور ہر دو زمینوں کے درمیان اتنا ہی فاصلہ اور مسافت ہے جتنی آسمان اور زمین کے درمیان ہے اور ہر زمین میں اللہ کی مخلوق آباد ہے۔"

قول جمہور اصح الاقوال امام قرطبیؒ نے قول جمہور ہی کو "اصح الاقوال" قرار دیا ہے۔ کیونکہ احادیث شریفہ سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ حضرت ابن عباسؓ سے دریافت کیا گیا:۔ ھل تحت الارضين خلق کیا زمینوں کے نیچے بھی کوئی مخلوق بستی ہے؟ فرمایا:۔ نعم۔ ہاں (اللہ کی مخلوق بستی ہے) پھر سوال کیا گیا:۔ فما الخلق۔ پھر تو وہ کونسی مخلوق ہے؟ اس کے جواب میں فرمایا:۔ اما ملائكة او جن۔ یا تو فرشتے ہوں گے یا جن" مطلب یہ ان دونوں کے وجود میں تو بظاہر کوئی استبعاد نہیں ہے۔ ممکن ہے اور بھی کوئی مخلوق ہو۔ دیگر قسم کی مخلوق کی آپ نے نفی نہیں فرمائی۔ بادی النظر میں جو بات سمجھ میں آسکتی ہے اس کا اظہار فرما دیا۔

ابن عباسؓ کی تنبیہ مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ارشاد باری تعالیٰ وَمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ کی تفسیر دریافت کی گئی تو فرمایا:۔ لو حدثتکم بتفسیرھا لکفرتم وکفرکم بتکذیبکم بھا۔ (عبد بن حمید ابن جریر ابن الضریس) اگر میں تم سے اس کی تفسیر بیان کروں تو تم اس کا انکار کردو گے اور مبتلائے کفر ہو جاؤ گے۔ اور تمہارا کفر یہی کہ تم اس آیۂ کریمہ کی تکذیب کرو گے۔"

اسی طرح اور ایک شخص نے آپ سے اس آیۂ کریمہ کی تفسیر پوچھی تو فرمایا:۔ ما یؤمنك ان اخبرك بھا فتکفر (عبد بن حمید ابن المنذر) اس کی کیا ضمانت ہے کہ اگر میں تجھے اس سے باخبر کردوں اور تو اس کا منکر ہو جائے۔" (معاذ اللہ)

قوم سے خطاب عزیزو! سات زمینوں کا مسئلہ کچھ ضروریات دین سے تو ہے نہیں کہ خواہ مخواہ اس کی کھوج میں لگے رہو۔ یہی سبب ہے کہ سلف صالحین نے اس میں خوض نہیں فرمایا۔ جس حد تک خدا اور رسول کا ارشاد ہے اس پر یقین رکھنا بندوں کا فریضہ ہے۔ حقیقت سمجھ میں نہ آئے تو اس کو علم الٰہی کے تفویض کر دینا چاہیئے۔

تحقیق جدید تحقیق جدید میں جہاں نئے نئے انکشافات ہو رہے ہیں یہ بھی خیال کیا جا رہا ہے کہ زمین کے علاوہ بعض سیارگان مثلاً مریخ اور چاند میں سمندر ہیں، نباتات کا بھی پتہ چلتا ہے۔ ابھی تحقیق نہیں ہوئی۔ زمین کو بھی یہ لوگ ایک سیارہ قرار دیتے ہیں۔ اس میں ان گنت مخلوقات ہیں تو عجب نہیں اُن سیارگان کا بھی ایسا ہی حال ہو۔ معلوم نہیں یہ تحقیقات جدیدہ کب ختم ہوں۔ پھر وہاں تک رسائی کی کوشش بھی جاری ہیں۔ اگر ان سیارگان میں انسانوں کا وجود ثابت ہو بھی تو آیۂ کریمہ اور احادیث شریفہ اپنی جگہ اٹل ہیں۔ قول جمہور حضرت ابن عباسؓ اور حضرت حسن بصریؒ کے اقوال کی تائید ہی ہوگی۔

اہل ایمان کا فریضہ البتہ آپ کے ذمہ کیا فریضہ عاید ہوتا ہے اس کو نہ بھولئے۔ ایک یہ کہ خدا و رسول نے جو کچھ فرمایا اس پر دل و جان سے یقین رکھئے آمنّا بما قال اللہ تعالیٰ و بما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وآمنّا علی مراد اللہ و علی مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ یعنی قال اللہ وقال رسول اللہ پر ہمارا ایمان ہے نیز اس سے اللہ سبحانہ اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

جو مراد لیا ہے اس پر بھی ہمارا ایمان ہے ہم اس کی تصدیق اور اقرار کرتے ہیں۔ گو تفصیلات سے واقفیت نہ ہو۔ دوسرا فریضہ تبلیغ احکام کا ہے اس کے لئے آپ کو تیار رہنا چاہیئے۔ زمین گول ہو یا چپٹی' ایک زمین ہو اور اسی میں ہفت اقلیم یا سات براعظم ہوں یا یہ کہ سات زمینیں جداگانہ ہوں۔ یہ کچھ دین کے مسائل نہیں ہیں۔ بر سبیل تذکرہ اس کا ذکر آ گیا ہے اللہ سبحانہ اور حضرت رسالت پناہی کی جو مراد ہے اس پر ہمارا ایمان و ایقان ہے اور بس۔

تبلیغ دین امام ماوردیؒ فرماتے ہیں:— وعلی انّھا سبع ارضین تختص دعوۃ الاسلام باھل الارض العلیا ولا یلزم من فی غیرھا من الارضین وان کان فیھا من یعقل من خلق ممیّز۔ اس تقدیر پر کہ سات زمینیں ایک پر ایک واقع ہیں۔ دعوت اسلام صرف اوپر کی زمین پر رہنے والوں کی حد تک مخصوص ہے۔ گو تحت کی زمینوں میں عقل و تمیز رکھنے والی مخلوقات موجود ہوں انھیں تبلیغ کرنا ہمارے فرایض میں نہیں ہے" یہ اس وجہ سے کہ ان زمینوں تک ہماری رسائی نہیں ہے۔ لا یکلّف اللہ نفسا الا وسعھا۔ اللہ سبحانہٗ کی جانب سے کسی کو تکلیف نہیں دی جاتی مگر اسی حد تک جتنی تکلیف کسی کی وسعت میں ہو" اس کا انتظام خود جناب باری عز اسمہٗ فرمائے گا۔ چنانچہ بعض احادیث شریفہ میں

یہاں تک آیا ہے:۔ سبع ارضین فی کل ارض نبیّ کنبیّکم وآدم کآدم ونوح کنوح وابراھیم کابراھیم وعیسی کعیسی۔ (ابن جریر، ابن ابی حاتم، حاکم بروایت صحیحہ بیہقی، عن ابن عباسؓ) سات زمینیں ہیں، ہر زمین میں ایک نبی ہیں تمھارے نبی کی طرح، آدم ہیں آدم کی طرح، نوح ہیں نوح کی طرح، ابراہیم ابراہیم کی طرح اور عیسی عیسی کی طرح۔" گو یہ حدیث شریف صحت کو پوری طرح نہیں پہنچی۔ بیہقی فرماتے ہیں:۔ اسنادہ صحیح للکنہ شاذ۔ اس کی اسناد صحیح ہے لیکن متن حدیث، دیگر احادیث صحیحہ کے مطابق نہیں۔ یعنی صحیح احادیث شریفہ سے جو دریافت ہوا ہے اس کا مطلب ان کے مطابق نہیں ہے۔ محدثین کرام فرماتے ہیں کہ اگر یہ صحت کو پہنچے تو بھی اس کا مفہوم صرف اس قدر ہے کہ ہر زمانے میں جو احکام و شرائع، جن جن پیغمبروں کے ذریعہ یہاں دئے گئے اور کتابیں نازل کی گئی ہیں انھیں کے مطابق ان انبیاء ورسل علی نبینا علیہم الصلاۃ والسلام کے نائبین و خلفاء کے ذریعہ ان کو بھی احکام و شرائع پہنچائے جاتے رہے ہیں۔ دراصل وہ حضرات منذر ہیں اللہ کے احکام کی خلاف ورزی سے ڈرانے والے۔ جیسا کہ اللہ سبحانہ نے فرمایا وان من امّۃ الاّ خلا فیھا نذیر۔ ہر امت میں ایک نذیر ہماری طرف سے ڈرانے والا آتا رہا ہے۔" ولکلّ قوم ھاد۔ اور ہر قوم کا ایک رہنما ہوا کیا ہے۔" جو نبی و رسول تو نہیں ہیں مگر ورثۃ الانبیاء ضرور ہیں۔ جو مرور زمانہ

کے ساتھ ہر عہد کے احکام پہنچاتے رہتے ہیں۔ انسان العیون میں ہے: کان لنبینا علیه الصلاة والسلام رسول من الجن اسمه کا سمه۔ ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیام قوم جن کے پاس لیجانے والے اُنھیں میں سے ایک جن تھے جن کا نام حضور انور کے نام مبارک کے مطابق تھا۔" اسی پر دیگر انبیا علیہم السلام کا پیام لیجانے والوں کو سمجھ لیا جائے۔ ہاں اگر ان تک ہماری رسائی عام طور پر ہو جائے تو انکو تبلیغ احکام کرنا ہمارے فرائض میں بھی داخل ہوگا جیسا کہ امریکہ اس کی ایک زندہ مثال ہے کہ جب تک وہ دریافت نہیں ہوا تھا اور رسائی وہاں تک نہیں ہوئی تھی تبلیغ متعلق نہ تھی لیکن اب فرض ہے۔

یتنزل الامر بینھن کی تفسیر | یَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَیْنَهُنَّ۔ اترتا ہے اس کا حکم ان کے اندر" یعنی ان سات آسمانوں اور سات زمینوں میں اللہ سبحانہ کے احکام نازل ہوتے رہتے ہیں۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں: فی کل ارض من ارضه وسماء من سمائه خلق من خلقه وامر من امره وقضاء من قضاءه۔ (عبدالرزاق عبد بن حمید ابن المنذر) اس کی زمینوں میں سے ہر زمین میں اور اس کے آسمانوں میں سے ہر آسمان میں اس کے مخلوقات میں سے کوئی نہ کوئی مخلوق ہے۔ اور اس کے احکام میں سے احکام نافذ ہوتے رہتے اور اس کے فیصلوں میں سے فیصلے صادر ہوتے رہتے ہیں۔" حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں: من السماء السابعة الی الارض السابعة۔ (عبد بن حمید ابن المنذر) ساتویں آسمان یعنی سب کے اوپر والے آسمان سے ساتویں زمین یعنی سب سے نچلی زمین تک (احکام نافذ ہیں)۔

کمال قدرت و علم الٰہی لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ وَّاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا۔ تاکہ تم جانو کہ اللہ ہر چیز کر سکتا ہے اور اللہ کے علم میں سمائی ہے ہر چیز کی"۔

اللہ سبحانہ تعالیٰ کے کمال قدت و علم کا بیان ہو رہا ہے کہ قدرت و علم الٰہی سے کائنات کا کوئی حصہ اور کوئی ذرہ باہر نہیں ہے۔ ہر چیز اس کے تحت قدرت اور ہر چیز اس کے احاطہ علمی میں ہے تو میاں بی بی کے تنازعات، طلاق، خلع اور ہر ایک کے اسباب و علل طرفین کے منصوبے ایک دوسرے کے مقابلہ میں، نیز اولاد خواہ وہ نہاں خانہ بطن مادر میں ہو یا صلب پدر میں، اس کے انتظامات، تدابیر نطفہ سے دم، دم سے علقہ، علقہ سے مضغہ، مضغہ سے مخلقہ یا غیر مخلقہ، نفخ روح اور اس میں حرکت پیدا ہونا۔ پھر منصۂ وجود پر آنا، اس کی نشو و نما و بالیدگی، رضاعت، طفولیت، بلوغ، شباب، کہولت، شیخوخت، موت، برزخ، حشر، حساب کتاب، سزا و جزا، سب پر ہم قادر ہیں اور ہر چیز ہمارے علم میں ہے، لہٰذا ہمارے بتائے ہوئے احکام پر چلتے رہو اور ہر حال میں تقویٰ پر قائم رہو و باللہ التوفیق۔

سورۂ طلاق کی تفسیر ختم ہوئی۔ وللہ الحمد والمنۃ۔ والصلاۃ والسلام علیٰ رسولہ سید الانبیاء والمرسلین وعلیٰ آلہ الطیبین واصحابہ الطاہرین اجمعین والحمد رب العالمین۔ پنجشنبہ ۱ محرم الحرام ۱۳۷۷ھ۔